مسئلہ امامت

کوکب نورانی اوکاڑوی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

انتساب

مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) میں ہونے والی اس نماز کے نام

جس میں حبیبِ الٰہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

اقصیٰ میں جماعت نبیوں کی دیکھی تو فرشتے بول اُٹھے
کیا خوب جماعت ہوتی ہے، کیا خوب امامت ہوتی ہے
نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنی اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

مسئلہ ء امامت

از قلم: شیخ الاسلام، استاذ العلماء، فقیہ العصر حضرت علامہ مولانا ابو الفضل غلام علی قادری اشرفی اوکاڑوی دامت برکاتہم القدسیہ

عزیز مکرم صاحب زادہ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی سلمہ تعالیٰ کے مسئلہ امامت کے استفتاء کا لکھا ہوا جواب بالاستیعاب پڑھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ کتاب و سنت کی روشنی میں مسلکِ حق اہل سنت و جماعت کی خوب ترجمانی فرمائی گئی ہے۔ اللہ کریم موصوف کے علم و فضل میں اور زیادہ برکت و ترقی عطا فرمائے اور الولد سر لابیہ کا پورا مصداق بنائے۔ آمین

فقیر ابو الفضل غلام علی اوکاڑوی غفرلہ

جامعہ حنفیہ اشرف المدارس، اوکاڑا

۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

۱۰/دسمبر ۱۹۹۰ء

مابین

جب کبھی یہ سوال ہوتا تھا کہ آپ کون ہیں؟ ہمارا جواب یہ ہوتا تھا کہ سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ یہ سوال کیوں کیا جاتا ہے اور ہمارے اس جواب سے سوال کرنے والا مطمئن کیوں نہیں ہوتا۔ خطیبِ ملت حضرت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کی سحر آفریں خطابت نے جب ان کی دل نواز شخصیت سے ایک خاص وابستگی عطا کی، تو بہت سے حقائق سے آگہی ہوئی، ان سے تعلق خاطر کا یہی فیضان کیا کم ہے کہ ہر دم لبوں پر اب درود و سلام جاری رہتا ہے اور دل گویا، عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدینہ بن گیا ہے۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ

خود کو مسلمان کہلانے والے، کتنوں نے اپنی تقریر و تحریر میں وہ کچھ کہا اور لکھا ہے کہ ان لوگوں کی مسلمانی پر تعجب نہیں افسوس ہوتا ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا مصرعہ ذہن میں گونجتا ہے کہ "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے"۔
خود کو دین کا اِجارہ دار کہنے والے وہ "علماء" جو صورت و شکل سے تو "علامہ دہر" معلوم ہوتے ہیں لیکن جن کے باطن میں تقویٰ و تزکیہ کی کوئی رمق نہیں اور جن کی نسبت میرے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے صرف زبانی جمع خرچ تک ہے، انہوں نے ملتِ اسلامیہ کو جس طرح رُسوا کیا ہے، اسے کیا کہئے! ایسے میں وہ علمائے حق غنیمت ہیں جو اپنے ظاہر و باطن میں کوئی تضاد نہیں رکھتے اور دنیا کے چند سکّوں یا جھوٹی شہرت اور ذاتی مفادات کے عوض دین فروشی اور اصولوں کی سودے بازی نہیں کرتے اور ہوا کا رُخ دیکھ کر فتوے نہیں بدلتے۔ توحید کے بنیادی عقیدے پر لڑوانے والے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلیل القدر ذات کے بارے میں اپنے دعوائے علم پر زباں درازی کرنے والے لوگ، اور ہی کچھ ہوں گے، ہر گز "مولانا" یا عالمِ دین حق کہلانے کے مستحق نہیں چہ جائیکہ انہیں امام ربانی، مطاع الکل، غوث العصر، حکیم الامت، شیخ الاسلام، مجدد یا ولی غیرہ کہا جائے۔

سیدھا سادا مسلمان شاید وہی ہے جسے یہ تک معلوم نہیں کہ ایمان و اسلام کے معنی کیا ہیں؟ ایسا شخص ان لفظوں کے معنی و مفہوم تلاش کرنے کیلئے کتابیں کھنگالے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ خود علمائے دین کہلانے والے کتنے افراد، ان لفظوں کی تشریح و تعبیر میں کس کس طرح اسلام دشمنی کر رہے ہیں۔ ایسے علمائے حق کم ہی ہیں جو حق پر ثابت قدم ہیں اور جن کی تحریر و تقریر میں قرآن و سنت کے منافی کوئی بات نہیں۔

مجددِ مسلکِ اہل سنت عاشقِ رسول خطیبِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جلیل و جمیل فرزند اور سچے جانشین اس اعتبار سے بھی علماء میں نمایاں ہیں کہ یہ ان کا شیوہ و شعار ہے، ان کی بے باکی کسی مصلحت کی پناہ نہیں ڈھونڈتی، وہ بفضلہٖ تعالیٰ، حق کے سچے علمبر دار ہیں۔ ان سے وابستگی کے سبب ہی معلوم ہوا کہ سچا مسلمان کون ہے، ان کی ایک کتاب ”دیوبند سے بریلی (حقائق)“ سے حق کی طلب رکھنے والے ہر ایک کو یہ حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔ بلاشبہ ایمان نہایت قیمتی دولت و نعمت ہے، ہر شخص مسلمان کو اس کی حفاظت کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔

حقائق سے آگہی کے بعد عقائد کی دُرستی ہوتی ہے اور اعمال کو سنوارنے کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ نماز بلاشبہ نہایت اہم عبادت ہے۔ اس کی بہ تمام و کمال ادائی کیلئے کس کی اقتداء کی جائے؟ یہ سوال بہت اہم ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ حضرت خطیبِ ملّت نے اس موضوع پر ایک جامع تحریر کا وعدہ زیر نظر کتاب ”مسئلہ امامت“ کی صورت میں پورا کر دیا ہے۔

ہم ہر مرحلے اور معاملے میں اپنا قائد و سربراہ اسی کو بناتے اور مانتے ہیں جسے ہر طرح بہتر تصور کرتے ہیں، باگ ڈور غلط ہاتھوں میں ہو تو پیروکار کبھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوتے۔ ہمارے کسی پیارے کو کوئی ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے تو ہم اس سے مصالحت و مفاہمت کی نہیں سوچتے اس کیلئے کسی رعایت کو درست نہیں سمجھتے تو جو شخص اللہ کے پیارے نبی، نبیوں کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ جن پر ہمارا سب کچھ قربان ہے‘ کے بارے میں کوئی منفی رائے رکھتا ہو یا منفی رائے رکھنے والوں کی تائید کرتا ہو، اس سے کسی رعایت و مصالحت کا تصور ہی باطل ہے، وہ کسی طرح ہمارا امام و قائد نہیں ہو سکتا۔ خطیبِ ملت نے اپنی تحریر میں تمام حقائق بیان کئے ہیں اور ہر بات کا ثبوت فراہم کیا ہے جس کے بعد کسی تردد و تامل کی گنجائش نہیں رہتی۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان کیلئے نہایت مفید ثابت ہو گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت خطیبِ ملت کی عمر اور ان کے علم و عمل میں بے پناہ برکت فرمائے تاکہ فیضانِ حق ان سے عام ہوتا رہے۔ آمین

موسیٰ ابراہیم وازر (قادری)

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ

اللہ کریم جل شانہ وعز اسمہ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب کریم حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت وعنایت سے یہ فقیر، حقیر ہمہ وقت دین ومسلک کی خدمت میں مشغول رہتا ہے۔ اسی سلسلے میں ملک وبیرونِ ملک تقاریر کیلئے مدعو کیا جاتا ہوں۔ اجتماعات میں سامعین اکثر وبیشتر زبانی یا تحریر کے ذریعے مسائل بھی دریافت کرتے ہیں۔ ایک اہم مسئلہ "امامت" کے بارے میں بہت پوچھا جاتا ہے، ہر اجتماع میں مختصراً جواب پیش کر دیا جاتا ہے مگر وہ جواب تمام لوگوں تک نہیں پہنچتا۔ گزشتہ دِنوں ایک سوال نامہ اس موضوع پر ایک ملفوف میں وصول ہوا، چنانچہ ارادہ کیا کہ قرآن وسنت کے مطابق اس موضوع پر ضروری حقائق قلم بند کر دیئے جائیں تاکہ روزمرہ کے نزاع کا خاتمہ ہو جائے اور لوگ حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔

یہ وضاحت ضروری ہے کہ امامت کے مسئلے کو تحریر کرنے کا مقصد ہر گز ہر گز انتشار وافتراق نہیں ہے بلکہ اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر حقائق کا اظہار ہے۔ سوال نامے میں جو کچھ پوچھا گیا ہے اس کے جواب میں بہت تفصیل درکار ہے لیکن میرا مشاہدہ یہ ہے کہ لوگ ضخیم کتابوں کے مطالعے سے گھبراتے ہیں، کیونکہ انہیں زندگی کی کشاکش اور معاشی تگ ودو سے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ کتابوں کا مطالعہ بھی کریں اور دِینی موضوعات پر لکھنے والے اہلِ علم اپنی علمی استعداد سے جو الفاظ و بیان اختیار کرتے ہیں اس سے عام قارئین پوری طرح بات سمجھ نہیں پاتے، اس لئے وہ ایسی دینی کتابوں کے مطالعے سے زیادہ گھبراتے ہیں۔ اس خاکسار کی یہ کوشش رہتی ہے کہ تحریر و تقریر ہر دو میں زبان و بیان عام فہم ہو، کیونکہ اصل مقصد تو سچی بات لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس فقیر کو اس کوشش میں کامیابی اور لوگوں میں مقبولیت حاصل ہے۔ یہ ہیچ مدان، آسان لفظوں میں مختصراً سوالوں کے جواب تحریر کر رہا ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ سبحانہ کے فضل سے یہ تحریر بھی سب اہلِ ایمان کیلئے مفید ونافع ثابت ہوگی۔ اللہ کریم ہم سب کو حق سمجھنے، اس کو قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سوال نامہ

1 امامت کی تعریف کیا ہے؟

2 قرآن وسنت میں امامت کی اہمیت اور اہلیت کیا ہے؟

3 فسق اعتقادی اور فسق عملی ہر دو صورت میں فاسق شخص کی اقتداء کیا حکم رکھتی ہے؟

4 حدیث شریف میں ہے کہ "صلوا خلف کل بر و فاجر" اس کی کیا حقیقت ہے؟

5 نماز کی ادائی میں جماعت کی بہت اہمیت ہے، فقہاء اس کو لازمی اور فرض کہتے ہیں اور کچھ فقہاء واجب یا سنتِ مؤکدہ۔ ایسے مقام پر جہاں مقررہ امام، امامت کا اہل نہ ہو اور وہاں یہ جبر بھی پایا جائے کہ امام کی اقتداء نہ کرنے والا مملکت کا باغی یا دشمن تصور کیا جائے اور وہاں نماز کا اعادہ (دُہرانا) بھی مشکل ہو وہاں شرعی حکم کیا ہے؟

6 اگر اعتقادی فاسق کی اقتداء کی جائے تو کیا شریعت میں اس کیلئے کوئی رعایت ورُخصت ہے؟ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ نااہل امام کی اپنی نماز قائم نہیں ہوتی تو اس کی اقتداء کی نیت ہی باطل ہے، ایسے امام کی نا اہلی کا علم رکھتے ہوئے جان بوجھ کر قصدونیت کے ساتھ اس کی اقتداء کو درست جاننے والا مومن نہیں رہتا؟

7 امام کے فاسق اعتقادی کی شہرت ہونا کافی ہے یا خود تحقیق کرنا ضروری ہے؟

8 اگر پہلے علم نہ ہو اور نماز کے بعد امام کے نااہل ہونے کا علم ہو، اس صورت میں مقتدی کیلئے کیا حکم ہے؟

9 باجماعت نماز میں صفوں میں کتنا فاصلہ ہو سکتا ہے، کوئی عمارت یا دیوار وغیرہ حائل ہو جائے اس صورت میں اقتداء درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟

10 صفوں کے درمیان کسی خاص شخص کیلئے فاصلہ رکھا جا سکتا ہے یا نہیں اور اگر درمیان کی کچھ صفیں خالی رہ گئیں تو پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

سائل

سیّد محمد اشرف

(سوال نمبر ۱) امامت کی تعریف

امامت کی پیشوائی کے منصب کو کہتے ہیں، جو شخص لوگوں کی پیشوائی کرتا ہے، اسے امام کہتے ہیں۔

امامت دو قسم پر ہے: (۱) امامت کبریٰ (۲) امامت صغریٰ۔

ملک وملت کی پیشوائی امامت کبریٰ (بڑی امامت) ہے اور نماز کیلئے نمازوں کی پیشوائی امامت صغریٰ (چھوٹی امامت) ہے، جس کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ "کسی دوسرے کی نماز کا امام کی نماز کے ساتھ وابستہ ہونا"۔ (چونکہ سوال نامے میں نماز کی امامت کے بارے میں وضاحت چاہی گئی ہے اس لئے امامت کبریٰ کے بارے میں "امامت کبریٰ" کے عنوان سے اِن شاءاللہ الگ تفصیل تحریر کردی جائیگی)۔ لفظ "امام" کی تعریف یہ کی جاتی ہے "شئي يقتدى به" یعنی کسی کام (چیز) میں (کسی کے ساتھ) اس کی پیروی کرنا۔ چونکہ نماز کو باجماعت ادا کرنے کیلئے نمازی اپنے امام کی پیروی کرتا ہے اور امام کی نماز سے اپنی نماز وابستہ کرلیتا ہے، تو امام کا نماز ادا کرنے میں نمازیوں کا پیشوا ہونا "امامت" کہلاتا ہے اور نمازیوں کا اس امام کی پیروی کرنا "اقتداء" کہلاتا ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور ومستند کتاب درِ مختار میں ہے کہ ﴿ ربط صلوة الموتم بالامام بشروط عشرة ﴾

امام کے ساتھ مقتدی (اقتداء کرنے والے) کی نماز وابستہ ہونے کی دس شرطیں ہیں:۔

1 مقتدی کا امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کی نیت کرنا۔ (نیت تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ ہو)۔
2 امام اور مقتدی ایک مکان یا جگہ میں جمع ہوں۔
3 امام اور مقتدی ایک ہی نماز ادا کر رہے ہوں، یعنی فجر کی نماز ادا کر رہے ہوں تو دونوں کی نیت اسی نماز کی ہو۔
4 امام کی نماز مذہب وعقیدہ کے مطابق خود امام کے نزدیک بھی صحیح ہو اور اس مقتدی کے نزدیک بھی صحیح ہو۔
5 نماز کیلئے کھڑے ہونے کی حالت میں مقتدی کے پاؤں کی ایڑیاں امام کے پاؤں کی ایڑیوں سے آگے نہ ہوں۔
6 مقتدی کو امام کے قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ کرنے کا حال سننے سے یا دیکھنے سے معلوم ہو۔
7 نماز کے ارکان میں مقتدی اور امام کی شرکت ہو، یعنی مقتدی نماز کا ہر رُکن امام کے ساتھ ادا کرے۔
8 مقتدی اپنے امام سے رکوع، سجدہ وغیرہ ادا کرنے میں برابر ہو یا اس سے کم ہو۔
9 امام کے مقیم یا مسافر ہونے کا مقتدی کو نماز ادا کرنے سے پہلے یا بعد، علم ہو۔
10 نماز میں امام یا مقتدی کے برابر عورت نہ کھڑی ہو۔

علامہ شامی درِ مختار کی اسی عبارت کے تحت فرماتے ہیں کہ [۱]

جب امام اور مقتدی کی نماز میں یہ وابستگی پائی جائے گی تو یہ وابستگی حقیقت میں امامت ہوگی۔ (۳۶۹/۱)

---

[۱] وان حاذلة امرأة وهما مشتركان فى صلوة واحده فسدت صلاته ان نوى الامام امامتها ـــــ ان لم يتو امامتها لم تضره ولا تجوز صلاتها لان الاشتراك دونها لا يثبت عندنا (ہدایہ اولین)

(سوال نمبر ۲) **امامت کی اہمیت**

ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز فرض عین ہے اور اس کیلئے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر واضح احکام ہیں۔ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" کے الفاظ پر قرآن کے مفسروں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے کہ پورے آداب اور باقاعدگی سے نماز کو قائم رکھنا اس طرح کہ ہر حکم اور شرط پوری ہو، اور وقت پر جماعت کے ساتھ (خشوع وخضوع)، ہر ادا سے عاجزی و مسکینی اور تواضع کا اظہار کرتے ہوئے نمازوں کی ادائی کا سلسلہ قائم رکھا جائے۔ اور سکون و اطمینان اور وقار سے اپنے دل کو حاضر رکھتے ہوئے، یعنی اللہ کی یاد کو غالب کر کے خلوص و محبت سے باقاعدہ نماز قائم رکھی جائے۔ اقیموا الصلوٰۃ کے الفاظ میں جو جامعیت ہے اس کو بے شمار اہل علم نے اپنی اپنی تحریروں میں وضاحت سے لکھا ہے، یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے نماز کیلئے یہ الفاظ واضح طور پر فرمائے گئے ہیں کہ الصلوٰۃ جامعۃ (نماز جمع کرنے والی ہے) یہ نظام صلوٰۃ کا ایک خاصہ اور کمال ہے کہ روزانہ پانچ وقت ایک مکان میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں، کیونکہ نماز کیلئے مسجد میں جمع ہونے کا حکم ہے۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے اذان سنی اور مسجد میں آنے کا ارادہ نہ کیا، اس کی نماز قبول نہیں ہوگی بشرطیکہ اسے کوئی خوف اور معذوری نہ ہو"۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان وحاکم)

نماز مسجد میں آکر باجماعت ادا کرنے کی ہدایت ہے، باجماعت نماز ایک امام کی اقتداء میں ادا کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے امام کا انتخاب خود کریں۔ نماز جیسے مقدس اور مبارک فریضہ کی امامت کیلئے جب کوئی سچا مسلمان رائے دے تو یقیناً اس کی رائے نہایت دیانت دارانہ ہوگی اور وہ اس شخص کو امام منتخب کرے گا جس میں امامت کی خوبیاں پائی جائیں گی اس طرح گویا امام و پیشوا اور امیر کے صحیح انتخاب کی تربیت، باجماعت نماز ادا کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح انسان میں کسی قابل کی پیروی کا احساس اور شعور بھی پختہ ہوتا ہے اور مل جل کر، تعاون سے کام کرنے، فکر و عمل کی وحدت اور ملی اُخوت کے جذبات اُجاگر ہوتے ہیں۔ سرکشی اور آوارگی کی بجائے طاعت و فرماں برداری اور مساوات کا احساس پختہ ہوتا ہے۔ باجماعت نماز میں یہ سبق ہر مسلمان کو ملتا ہے کہ وہ نیک و صالح بننے کیلئے علم اور تقویٰ میں عمدہ شخص کی پیروی کرے اور اپنی دنیا و آخرت سنوارے اور اپنے مقصدِ زندگی کو پورا کرے۔

شریعتِ اسلامی کے احکام کے مطابق امامت کا منصب بہت اہم اور عظیم ہے اور اس منصب کو کسی خاص ذات سے مخصوص نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسے کسی کی میراث بنایا گیا ہے اس کیلئے علم و فضل اور تقویٰ ہی سب سے بڑا اور بنیادی معیار ہے، کیونکہ اسلام میں کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر رنگ و نسل وغیرہ کی وجہ سے کوئی فضیلت و مرتبت حاصل نہیں۔ فضیلت و مرتبت اگر کسی کو حاصل ہو سکتی ہے تو جاہ و مال اور علاقہ و زبان سے نہیں، صرف علم و تقویٰ کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ جو شخص جس قدر اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے اور نیکی و پارسائی میں جتنا عمدہ ہے اسی قدر دوسروں پر بڑائی اور بزرگی رکھتا ہے۔

نظامِ صلوٰۃ میں جمعہ کی نماز، جنازہ کی نماز اور عیدین کی نمازیں بغیر امام کے ادا نہیں ہوتیں، ان نمازوں کیلئے امام کا مقرر کرنا واجب و ضروری ہے۔

امامت کی اہلیت

نماز کی امامت ایک اہم منصب اور ذمہ داری ہے۔ اس منصب کیلئے وہی شخص موزوں اور دُرست ہو سکتا ہے، جس میں اس منصب کی صلاحیت پوری طرح پائی جائے۔ علمائے دین کا کہنا ہے کہ امامت ایک طرح سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت ہے، اس لئے امامت وہ کرے جو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا وارِث اور ان سے نسبت و تعلق کے لحاظ سے زیادہ قرب رکھتا ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دین میں زیادہ عمدہ اور پختہ ہو اور علم و اخلاق میں زیادہ بہتر ہو۔

چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "جو تم میں بہترین ہوں ان کو اپنا امام و پیشوا بناؤ کہ بلاشبہ وہی تمہارے اور تمہارے ربّ کے درمیان تمہارے نمائندے ہوتے ہیں"۔ (کنز العمال)

ایک روایت میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں کی نماز ان کے سر کے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی (یعنی قبول ہونا تو ایک طرف رہا، وہ بارگاہِ الٰہی میں پیش بھی نہیں ہوتی):۔

(۱) وہ شخص کہ قوم کی امامت کرے اور لوگ اس کو برا جانتے ہوں۔

(۲) وہ عورت جس نے اس حالت میں رات گزاری کہ اس کا شوہر اس پر ناراض ہو

(۳) وہ مسلمان بھائی جو ایک دوسرے کو کسی دنیاوی وجہ سے چھوڑے ہوئے ہوں، یعنی قطع تعلق کر رکھا ہو۔ (ابن ماجہ)

ان ارشادات سے یہ اوضح ہوتا ہے کہ امامت کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے، جو پسندیدہ اور بہترین ہو۔ وہ شخص شریعت و سنت، طہارت و پاکیزگی اور عبادات کے مسائل زیادہ جانتا ہو۔ قرآن کریم کی تلاوت عمدگی سے کرتا ہو اور تجوید و قرأت سے بھی خوب واقف ہو۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے متقی اور صالح ہو۔ دین سے زیادہ شغف رکھتا ہو، صورت و سیرت کے لحاظ سے بھی بہتر ہو، تاکہ کسی کو اس سے کراہت نہ ہو۔ جسمانی طور پر بھی تندرست ہو، خوش الحان و خوش آواز ہو، نفاست و نظافت (صفائی و ستھرائی) کا

خیال رکھنے والا ہو۔ اگر کسی جگہ ان خوبیوں میں سب لوگ برابر ہوں، تو ان میں امامت کا مستحق وہ شخص ہو گا جس نے ان خوبیوں میں زیادہ عمر گزاری ہو۔ اور اگر زیادہ عمر والے بھی کئی لوگ ہوں تو ان میں بہترین شخص کا انتخاب کیا جائے، جس کے حق میں زیادہ لوگ ہوں، اسے امامت کا حق دیا جائے۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کسی کے گھر اور علاقے میں صاحبِ خانہ و علاقہ کی اجازت کے بغیر اس کے مصلّی اور مسند پر نہ بیٹھا جائے"۔ (مسلم شریف)

ایک روایت میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص قوم کی امامت کرے، وہ اللہ کا خوف رکھے اور خوب جان لے کہ اسے امامت کا جو منصب دیا گیا ہے وہ اس کا ضامن ہے اور اس سے اس کی منصبی ذمہ داری کے بارے میں مواخذہ ہو گا اگر اس امام نے اپنے منصب کو اچھی طرح نبھایا تو اس کو تمام مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اجر ملے گا جبکہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہو گی اور اگر امامت میں کوئی کمی یا نقص ہو گا تو اس کا تمام وبال صرف امام پر ہو گا۔ (طبرانی معجم اوسط)

ایک روایت میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے کہ "جب کوئی شخص امام بنے ایسی حالت میں کہ اس کے مقتدیوں میں اس شخص سے بہتر اور افضل شخص موجود ہو تو ایسے لوگ پستی کا شکار رہتے ہیں"۔

ان ارشادات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس شخص کو امام بنایا جائے وہ اپنے مقتدیوں کی نماز کا بھی ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس لئے امام کا ہر طرح صحیح اور درست ہونا ضروری ہے۔ اگر امام بننے والے شخص میں عقیدہ و عمل کی صحت کا معیار درست نہیں تو ایسا شخص امام بن کر قوم کی امامت کا حق ادا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے مقتدیوں کا وبال بھی اپنے سر لیتا ہے اور جو شخص خوفِ الٰہی رکھتا ہو گا وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔

امام کیلئے چھ شرطیں بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) مسلمان ہو (۲) مرد ہو (۳) عاقل ہو (۴) بالغ ہو (۵) قرآن کی قرأت کر سکتا ہو (۶) معذور نہ ہو۔

ان شرائط کی تفصیل میں جو باتیں ضروری ہیں وہ یہ ہیں کہ عورت ہرگز مردوں کی امام نہیں ہو سکتی۔ البتہ صرف عورتوں میں عورت کی امامت کی گنجائش ہے جبکہ اسے بھی فقہاء نے مکروہِ تحریمی لکھا ہے۔ عاقل سے مراد وہ شخص ہے، جو مخبوط الحواس ہو یا پاگل نہ ہو، یعنی ذہنی طور پر کسی طرح درست نہ ہو۔ نابالغ صرف نابالغوں کا امام ہو سکتا ہے۔ نابالغ کو بالغوں کی امامت کرنا جائز نہیں خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔ بالغ ہونے کیلئے اگر علامات ظاہر نہ ہوں تو پندرہ برس کی عمر فقہاء نے شرط ٹھہرائی ہے۔ امام بننے والا قرآن کریم کی صحیح قرأت کرتا ہو۔ قرآنی الفاظ صحیح ادا کرتا ہو، قرآن کریم پورا یاد نہ بھی ہو مگر اتنا ضرور یاد ہو کہ سنت کے مطابق نماز میں پڑھ سکے، نماز میں وہی آیات پڑھے جن کے الفاظ صحیح ادا کر سکتا ہو۔ اگر ہکلاتا ہو یا تلفظ وغیرہ بھی ادا نہیں کر سکتا تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ صحیح ادائی کی کوشش کرے اور اپنی اصلاح تک امامت نہ کرے، اگر کوشش کے باوجود الفاظ کی صحیح ادائی پر

قدرت نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو امامت کا حق نہیں ہے۔ جو شخص معذور ہے، یعنی جسمانی طور پر تن درست نہیں اسے تندرست افراد کی امامت جائز نہیں۔ معذور شخص اپنے جیسے معذور افراد کی امامت کر سکتا ہے۔

اس شرط میں یہ بھی ہے کہ اگر معذور شخص نے تندرست افراد کی امامت کی تو تندرست افراد کی نماز ادا نہ ہو گی۔

ان شرائط میں پہلی بنیادی شرط یہ ہے کہ "امام مسلمان ہو"۔ ظاہر ہے کہ نماز، اسلامی رکن ہے اس لئے یہ تصور بھی نہیں کیا جائے گا کہ کوئی غیر مسلم، نماز کی امامت کر سکتا ہے۔ بلاشبہ امامت کا اہل صرف مسلمان ہے، مگر سوال یہی اہم ہے اور امامت کے بارے میں تمام سوال نامے میں پوچھی جانے والی بنیادی بات یہی ہے کہ مسلمان حقیقت میں کون ہے؟ ہر کلمہ گو خود کو مسلمان کہتا ہے، مگر قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ ہر کلمہ گو، فی الحقیقۃ مسلمان نہیں، اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

قرآن کریم میں ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (پ ا۔ سورۃ البقرہ:۸)

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں اللہ کو اور قیامت کے دن کو (تو ایسا کہنے کے باوجود وہ لوگ) ہرگز مومن نہیں ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور قیامت کو ماننے کے باوجود کیوں مومن نہیں؟ اس لئے کہ "فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن کریم میں ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ
وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (پ۲۸۔ سورۃ المنافقون:۱)

(اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب منافق تمہارے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ بیشک ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بیشک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول کہنے کے باوجود) منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو دل اور زبان میں یکساں نہ ہو۔ منافق دل سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تھے، اس لئے اللہ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ منافقوں کے جھوٹے ہونے میں بھی کوئی شک اور تردد نہیں۔

قدرت نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو امامت کا حق نہیں ہے۔ جو شخص معذور ہے، یعنی جسمانی طور پر تن درست نہیں اسے تندرست افراد کی امامت جائز نہیں۔ معذور شخص اپنے جیسے معذور افراد کی امامت کر سکتا ہے۔

اس شرط میں یہ بھی ہے کہ اگر معذور شخص نے تندرست افراد کی امامت کی تو تندرست افراد کی نماز ادا نہ ہو گی۔

ان شرائط میں پہلی بنیادی شرط یہ ہے کہ "امام مسلمان ہو"۔ ظاہر ہے کہ نماز، اسلامی رکن ہے اس لئے یہ تصور بھی نہیں کیا جائے گا کہ کوئی غیر مسلم، نماز کی امامت کر سکتا ہے۔ بلاشبہ امامت کا اہل صرف مسلمان ہے، مگر سوال یہی اہم ہے اور امامت کے بارے میں تمام سوال نامے میں پوچھی جانے والی بنیادی بات یہی ہے کہ مسلمان حقیقت میں کون ہے؟ ہر کلمہ گو خود کو مسلمان کہتا ہے، مگر قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ ہر کلمہ گو، فی الحقیقۃ مسلمان نہیں، اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

قرآن کریم میں ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (پ۱۔ سورۃ البقرہ:۸)

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں اللہ کو اور قیامت کے دن کو (تو ایسا کہنے کے باوجود وہ لوگ) ہر گز مومن نہیں ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور قیامت کو ماننے کے باوجود کیوں مومن نہیں؟ اس لئے کہ "فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن کریم میں ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ

وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (پ۲۸۔ سورۃ المنافقون:۱)

(اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب منافق تمہارے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ بیشک ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بیشک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول کہنے کے باوجود) منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو دل اور زبان میں یکساں نہ ہو۔ منافق دل سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تھے، اس لئے اللہ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ منافقوں کے جھوٹے ہونے میں بھی کوئی شک اور تردد نہیں۔

ان آیاتِ قرآنی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف زبانی طور پر اللہ تعالیٰ، آخرت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رِسالت کی گواہی دینا مسلمانوں کیلئے کافی نہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ دل کی حالت سے ہر کوئی آگاہ نہیں، پھر کیسے یقین کیا جائے کہ کون دل سے بھی زبانی گواہی کی تصدیق کر رہا ہے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ منافقوں کو مسلمان نہ تسلیم کرنے کی وجہ ہی ان کے دل کی بیماری بتائی گئی ہے۔ دل کی بیماری سے مراد اختلاج قلب، یا دھڑکن کی حالت کا غلط ہونا وغیرہ نہیں، بلکہ عقیدوں کا صحیح نہ ہونا ہے کیونکہ عقیدہ، دل کے صحیح اور پختہ نظریہ کو کہتے ہیں۔ منافقوں کے قلبی نظریات کیا تھے؟ ان کی تفصیل کتاب وسنت میں موجود ہے۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافقوں کو اپنی مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے منافقوں کو مسجد سے نکالا۔ حالانکہ وہ سب کلمہ گو تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز بھی ادا کرتے تھے۔ یہ سب جانتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری موجودی کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا، اس سے بہتر زمانہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ جب اس وقت منافق تھے تو یہ بدیہی بات ہے کہ موجودہ زمانہ ہرگز منافقوں سے خالی نہیں، ورنہ اس زمانے کو اس سے بہتر ماننا پڑے گا اور یہ ممکن نہیں۔ اسی طرح اس موجودہ زمانے کے منافق بھی اس زمانے کے منافقوں سے بہتر نہیں ہوں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس موجودہ زمانے میں منافقوں کی پہچان کس طرح ہوگی؟ جواباً عرض ہے کہ کتاب وسنت میں منافق کی پہچان اور منافقوں کے نظریات کی تفصیل موجود ہے۔

کسی میں ان منافقوں جیسے عقائد و نظریات وغیرہ کا پایا جانا ہی ان کی پہچان کروائے گا اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ انسان کا عمل اس کے دل کی حالت کا ترجمان ہوتا ہے۔ قلبی نظریات ہی انسانی عمل کی بنیاد ہوتے ہیں اور عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت دل کے پختہ ارادے ہی کا نام ہے۔ جب دل کی حالت صحیح نہ ہوگی تو نیت کی صحت بھی نہ ہوگی اور نیت کا فتور صحیح عمل کو بھی صحیح نہیں رہنے دے گا۔ کیونکہ بنیاد کی خرابی سے سارا عمل خراب ہو جائے گا۔ جس شخص کا اپنا عمل درست نہیں، اس شخص سے دوسرے شخص کا وہی عمل وابستہ ہو کر بھی خرابی میں شریک ہوگا۔ نماز میں امام کے ساتھ مقتدی کی نماز وابستہ ہوتی ہے۔ جب امام کی اپنی نماز اس کے عقیدہ کی خرابی کی وجہ سے درست نہیں ہوگی تو ایسے امام کی اقتداء کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے اور اس کے پیچھے نماز کی درستی ممکن ہی نہیں رہتی۔

امام کے ساتھ مقتدی کی نماز وابستہ ہونے کی دس شرائط میں چوتھی شرط یہ گزر چکی ہے کہ امام کی نماز خود اس کے نزدیک بھی صحیح ہو اور اس کے مقتدی کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ اور یہ قاعدہ واصول سب جانتے ہیں کہ کسی عمل کی کوئی شرط پوری نہ ہو تو وہ عمل مکمل اور درست نہیں رہتا۔ امام کی نماز خود اس کے نزدیک صحیح ہونے کا یقین اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ امام کا امام ہونا بھی صحیح ہو۔ اگر امام کا کوئی قلبی نظریہ درست نہیں ہو گا تو اس کا امام ہونا صحت پر نہیں ہو گا لہٰذا نماز کی صحت بھی باقی نہیں رہے گی، اس لئے ایسے شخص کے ساتھ کسی کی نماز وابستہ نہیں کی جاسکتی۔

اس تفصیل کے بعد اب یہ جاننا ضروری ہے کہ موجودہ دور میں وہ کون لوگ ہیں جن کے قلبی نظریات (عقائد) درست نہیں، تا کہ ان لوگوں کی اقتداء نہ کی جائے اور انہیں اپنا امام نہ بنایا جائے۔ اس سوال کے جواب کو سوال نامے کے تیسرے سوال کے جواب کے تحت تحریر کیا جارہا ہے۔

(سوال نمبر ۳) **فسق اعتقادی اور فسق عملی ہر دو صورت میں فاسق شخص کی اقتداء کیا حکم رکھتی ہے؟**

فسق کی معنی نافرمانی، حکم عدولی اور سرکشی کے ہیں۔ فسق کی دو قسمیں ہیں: (۱) اعتقادی (۲) عملی۔

فسق اعتقادی اور فسق عملی کی بھی دو دو قسمیں ہیں۔

پہلے فسق عملی کی دو قسمیں ملاحظہ ہوں: (۱) معلن (۲) غیر معلن۔

۱۔ معلن:۔ جو شخص کھلے عام، اعلانیہ طور پر کتاب و سنت کے احکام کی نافرمانی (گناہِ کبیرہ) کا ارتکاب کرتا ہے اور شریعت و سنت کے خلاف عمل کرتا ہے، اسے فاسق معلن کہتے ہیں۔

۲۔ غیر معلن:۔ جو شخص چھپ چھپ کر نافرمانی کرے اور اس کا گناہ پوشیدہ رہے اسے فاسق غیر معلن کہتے ہیں۔

ہر گناہِ کبیرہ کا اعلانیہ ارتکاب کرنے والا فاسقِ معلن ہے۔ ایسے شخص کی اقتداء کرنا، مکروہِ تحریمی ہے۔ یعنی ایسے شخص کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی، وہ ادا نہیں ہو گی اس نماز کو پھر سے ادا کرنا واجب و ضروری ہے۔

چھپ چھپ کر گناہ کرنے والا فاسق غیر معلن ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہِ تنزیہی ہے، اگر اس شخص کے گناہ گار ہونے کی شہرت ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز ادا نہ کی جائے، اگر اس کے گناہ پر اطلاع نہ ہو تو مقتدی پر کوئی وَبال نہیں ہو گا، البتہ خود امام وبال سے بری الذمہ نہیں۔

فسق اعتقادی کی دو قسمیں ہیں: (۱) حدِ کفر کو پہنچ جانا (۲) حدِ کفر کو نہ پہنچنا۔

قرآن و سنت کے مطابق اسلامی عقائد نہایت واضح ہیں۔ متعدد علمائے حق نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے تحریر کر دیا ہے، تاکہ بنیادی اور ضروری باتیں ہر مسلمان کے علم میں ہوں اور ہر مسلمان جان لے کہ ایک سچے مسلمان کے عقائد و نظریات کیا ہونے چاہئیں۔ (یہ خادمِ اہلسنّت اس موضوع پر اِن شاءَاللہ بہت جلد "میرا دِین" کے نام سے ایک جامع کتاب ہدیہ قارئین کر رہا ہے)

جو شخص دین کی کسی ایک بھی قطعی ضروری اور واضح بات کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمان ہونے کیلئے دین کی تمام قطعی اور ضروری باتوں کو دل و جان سے ماننا لازمی ہے۔ وہ شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، مگر اس کا کوئی عقیدہ و نظریہ کتاب و سنت کے سراسر خلاف ہو وہ اپنے ایمانی دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ دینِ اسلام کی ہر وہ بات جو قطعی دلیل سے ثابت ہو، اس کا انکار کفر ہے اور انکار کرنے والا کافر ہے۔

۱۔ جس شخص کے اعتقادات اس حد تک خراب ہوں کہ وہ کفر کی حد تک پہنچ جائیں اور وہ ان غلط اعتقادات سے سچی توبہ نہ کرے بلکہ اپنے اعتقادات پر قائم رہے اور ان کو درست جانے، ایسا شخص "فاسق معلن اعتقادی" ہے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے کا تصور ہی باطل ہے، کیونکہ ایسا شخص ہرگز ہرگز امام نہیں ہو سکتا بلکہ خود اس کی اپنی نماز بھی قائم نہیں ہوتی۔

۲۔ وہ شخص جس کے عقائد و نظریات غلط ہوں مگر کفر و شرک بدعت ضلالہ کفریہ کی حد کو نہ پہنچے ہوں، ایسے شخص کو "فاسق غیر معلن اعتقادی" کہتے ہیں، ایسے شخص پر غلط نظریات سے توبہ لازم ہے اور اپنی اصلاح ضروری ہے۔ اس کو ہرگز لوگوں کا امام نہیں بننا چاہئے، کیونکہ اس کے پیچھے نماز ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور نماز کا دہرانا ضروری ہے۔ اگر غیر معلن اعتقادی فاسق کے سوا کوئی صحیح صالح امام نہ ملے تو تنہا اکیلے نماز ادا کرنی چاہئے اور جمعہ کی نماز اگر علاقہ میں ایک ہی جگہ ہوتی ہو اور وہاں امام غیر معلن فاسق اعتقادی ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے جمعہ کی اہمیت کی وجہ سے جمعہ کے دو فرض ادا کر کے ظہر کی اپنی نماز پوری ادا کرے، بشرطیکہ فاسق اور مبتدع کے پیچھے نماز نہ پڑھنے میں فتنہ وفساد وغیرہ کا خوف ہو، کیونکہ فتنہ کو قتل سے زیادہ شدید فرمایا گیا ہے۔ فقہائے کرام نے اپنی تحریروں میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ دُرِ مختار، غنیہ، فتاویٰ عالمگیری، طحطاوی علی مراقی الفلاح، ابی السعود، فتاویٰ الحجۃ والتبیین والشرنبلالیہ، فتح القدیر، مفتاح السعادہ والغیاثیم والہندیہ وغیرہا میں یہ احکام ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں، اختصار کی غرض سے یہاں صرف خلاصہ تحریر کر دیا گیا ہے۔

وہ ضروریاتِ دین، جن کو بہ تمام و کمال ماننا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے اس کی تفصیل میں سے صرف ایک موضوع پر کچھ وضاحت ضروری ہے تا کہ فاسق معلن اعتقادی اور فاسق غیر معلن اعتقادی کی پہچان ہر کوئی کر سکے اور اپنی نماز کیلئے صحیح امام کا انتخاب کیا جا سکے۔ اسی موضوع کے تحت امامت کے بارے میں لوگ مسائل دریافت کرتے ہیں اور جو لوگ امامت کے بارے میں پوچھتے ہیں تمام تر وضاحت انہی لوگوں کی تحریروں سے پیش کی جا رہی ہے۔ اس وضاحت سے پہلے یہ عرض ضروری ہے کہ یہ خادمِ اہل سنت' خوفِ الٰہی رکھتے ہوئے دیانت و صداقت کے ساتھ صرف حقائق پیش کر رہا ہے۔ ہر کوئی یہ ضرور جانتا ہے کہ سچ کو سچ ماننا ہی سچ اور مفید ہے۔ حقیقت کا انکار کرنا ہرگز فائدہ مند نہیں۔

مشہور دیوبندی عالم جناب مرتضیٰ حسن در بھنگی اپنی کتاب اشد العذاب کے ص ۲ پر فرماتے ہیں کہ "انبیاء علیہم السلام کی تعظیم کرنی اور توہین نہ کرنا ضروریاتِ دین سے ہے"۔ مذکورہ عبارت سے یہ اصول ہوگیا کہ اللہ کے نبیوں کی تعظیم لازمی اور ضروریاتِ دین سے ہے اور اس کا منکر اپنے ایمانی دعویٰ میں ہرگز دُرست نہیں۔ اس اصول کو جاننے کے بعد یہ بھی جان لیا جائے کہ جو شخص انبیاء علیہم السلام کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرے، اس کیلئے کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں دیوبندی وہابی علماء کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:۔

❖ دارالعلوم دیوبند کے مشہور مدرس اور عالم جناب محمد انور شاہ کشمیری اپنی کتاب اکفار الملحدین میں فرماتے ہیں کہ "تمام علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی و توہین اور تنقیص کرنے والا کافر ہے اور جو شخص اس (گستاخِ رسول) کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے"۔ مزید فرماتے ہیں کہ "اس معاملے میں کفر کے حکم کا دارومدار ظاہر پر ہے، قصد و نیت اور قرائن حال پر نہیں"۔ زیادہ واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "علماء نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں جرأت و دَلیری کفر ہے اگرچہ توہین مقصود نہ بھی ہو"۔ (ص ۵۱، ۷۳، ۸۶)

❖ علمائے دیوبند اپنے رشید احمد گنگوہی صاحب کو "مطاع الکل" کہتے ہیں اور جناب حسین احمد ٹانڈوی مدنی کو "شیخ الاسلام" کہتے ہیں۔ ان دونوں نے اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ "جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرورِ کائنات علیہ السلام ہوں، اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو مگر ان (موہم تحقیر الفاظ) سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے"۔ (لطائف رشیدیہ، ص ۲۲۔ الشہاب الثاقب، ص ۵۸)

❖ مذکورہ عبارت کو الشہاب الثاقب کے ص ۵۰ پر مزید واضح کر کے یوں لکھا گیا ہے کہ "جن الفاظ میں ایہام گستاخی و بے ادبی کا ہوتا تھا ان کو بھی (رشید احمد گنگوہی صاحب نے) باعث ایذا جناب رسالت مآب علیہ السلام ذکر کیا اور فرمایا کہ کلماتِ کفر بکنے والے کو منع کرنا شدید چاہئے اگر مقدور ہو اور اگر (کفر بکنے والا) باز نہ آوے (تو اسے) قتل کرنا چاہئے کہ (وہ) موذی و گستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول امین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے"۔

❖ جناب مرتضیٰ حسن در بھنگی نے اپنی کتاب اشد العذاب کے ص ۵ پر فرماتے ہیں کہ (جو) دعوائے اسلام و ایمان اور سعی بلیغ اور کوشش وسیع کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دیتا ہو اور ضروریاتِ دین کا انکار کرے وہ قطعاً یقیناً تمام مسلمانوں کے نزدیک مرتد ہے کافر ہے"۔

❖ جناب اشرف علی تھانوی اپنی کتاب "زاد السعید" کے ص ۲۶ پر فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رافع میں ایک گستاخی کرنے سے (نعوذ باللہ منہا) اس (گستاخ) شخص پر من جانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں"۔

❖ تمام بڑے اور چھوٹے علمائے دیوبند کی متفقہ و مصدقہ کتاب المہند کے ص ۲۸ پر یہ عبارت درج ہے کہ "جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس (شخص) کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے"۔

مذکورہ ارشادات سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رفیع میں بغیر نیت و ارادہ کے بھی اگر ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن میں حقارت و توہین اور تنقیص کسی طرح بھی پائی جائے تو ایسے الفاظ استعمال کرنے والا بلاشبہ مرتد، کافر، لعنتی اور واجب القتل ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کسی شخص نے ننانوے جگہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کی اور صرف ایک جگہ بے ادبی و گستاخی کی تو ایسے شخص کیلئے کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں جناب اشرف علی تھانوی 'افاضات یومیہ (ج ۷، ص ۲۳۴) میں فرماتے ہیں کہ " اگر کسی میں ایک بات بھی کفر کی ہو گی وہ بالاجماع کافر ہے"۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر کسی نے کفر کیا ہے تو اس کو کافر کہنے سے ہمیں کیا ثواب ہو گا اور ہم کافر کو کافر نہ کہیں تو کیا ہمیں عذاب ہو گا؟ اس کے جواب میں جناب مرتضیٰ حسن در بھنگی اپنی کتاب اشد العذاب کے ص ۳ پر فرماتے ہیں کہ "نہ علمائے اسلام جلد باز ہیں نہ فروعی اور ظنیات اور اجتہادی اُمور میں کوئی تکفیر کرتا ہے، بلکہ جب تک آفتاب کی طرح کفر ظاہر نہ ہو جائے یہ (علمائے اسلام کی) مقدس جماعت کبھی ایسی جرأت نہیں کرتی، حتی الوسع کلام میں تاویل کر کے صحیح معنی بیان کرتے ہیں، مگر جب کسی کا دل ہی جہنم میں جانے کو چاہے اور وہ خود ہی اسلام کے وسیع دائرے سے خارج ہو جائے تو علمائے اسلام مجبور ہیں۔ جس طرح مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی کفر ہے"۔ اپنی اسی کتاب کے ص ۳۰۲ پر مزید فرماتے ہیں کہ "(کسی کا کفر ظاہر ہونے پر) اگر علماء سکوت کریں اور خلقت گمراہ ہو جائے تو اس کا وَبال کس پر ہو گا، آخر علماء کا کام کیا ہے؟ جب وہ کفر اور اسلام میں فرق بھی نہ بتائیں تو اور کیا کریں گے؟"۔

جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ "کفر کو کفر نہ سمجھنا بھی کفر ہے۔ کیا اگر مسیلمہ کذاب کو کوئی شخص نبی نہ مانتا ہو مگر اس کے عقائد کو کفر بھی نہ کہتا ہو تو کیا اس شخص کو مسلمان کہا جائے گا؟" (کمالات اشرفیہ، ۱۲۳)

ان ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جب کسی کا کفر ظاہر ہو جائے تو اس کو کافر کہنا اور ماننا ضروری ہو جاتا ہے اور کافر کو کافر نہ مانے تو یہ بھی کفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر۔ تھانوی صاحب نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ کسی کے کفریہ عقائد کا علم ہو جانے کے بعد اس شخص کو کافر نہ کہنے والا خود بھی مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

❖ تمام بڑے اور چھوٹے علمائے دیوبند کی متفقہ و مصدقہ کتاب المہند کے ص ۲۸ پر یہ عبارت درج ہے کہ "جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس (شخص) کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے"۔

مذکورہ ارشادات سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رفیع میں بغیر نیت و ارادہ کے بھی اگر ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن میں حقارت و توہین اور تنقیص کسی طرح بھی پائی جائے تو ایسے الفاظ استعمال کرنے والا بلاشبہ مرتد، کافر، لعنتی اور واجب القتل ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کسی شخص نے ننانوے جگہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کی اور صرف ایک جگہ بے ادبی و گستاخی کی تو ایسے شخص کیلئے کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں جناب اشرف علی تھانوی 'افاضات یومیہ (ج۷، ص ۲۳۴) میں فرماتے ہیں کہ " اگر کسی میں ایک بات بھی کفر کی ہو گی وہ بالاجماع کافر ہے"۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر کسی نے کفر کیا ہے تو اس کو کافر کہنے سے ہمیں کیا ثواب ہو گا اور ہم کافر کو کافر نہ کہیں تو کیا ہمیں عذاب ہو گا؟ اس کے جواب میں جناب مرتضیٰ حسن در بھنگی اپنی کتاب اشد العذاب کے ص ۳ پر فرماتے ہیں کہ "نہ علمائے اسلام جلد باز ہیں نہ فروعی اور ظنیات اور اجتہادی اُمور میں کوئی تکفیر کرتا ہے، بلکہ جب تک آفتاب کی طرح کفر ظاہر نہ ہو جائے یہ (علمائے اسلام کی) مقدس جماعت کبھی ایسی جرأت نہیں کرتی، حتی الوسع کلام میں تاویل کر کے صحیح معنی بیان کرتے ہیں، مگر جب کسی کا دل ہی جہنم میں جانے کو چاہے اور وہ خود ہی اسلام کے وسیع دائرے سے خارج ہو جائے تو علمائے اسلام مجبور ہیں۔ جس طرح مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی کفر ہے"۔ اپنی اسی کتاب کے ص ۳۰۲ پر مزید فرماتے ہیں کہ "(کسی کا کفر ظاہر ہونے پر) اگر علماء سکوت کریں اور خلقت گمراہ ہو جائے تو اس کا وَبال کس پر ہو گا، آخر علماء کا کام کیا ہے؟ جب وہ کفر اور اسلام میں فرق بھی نہ بتائیں تو اور کیا کریں گے؟"۔

جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ "کفر کو کفر نہ سمجھنا بھی کفر ہے۔ کیا اگر مسیلمہ کذاب کو کوئی شخص نبی نہ مانتا ہو مگر اس کے عقائد کو کفر بھی نہ کہتا ہو تو کیا اس شخص کو مسلمان کہا جائے گا؟" (کمالات اشرفیہ، ۱۲۳)

ان ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جب کسی کا کفر ظاہر ہو جائے تو اس کو کافر کہنا اور ماننا ضروری ہو جاتا ہے اور کافر کو کافر نہ مانے تو یہ بھی کفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر۔ تھانوی صاحب نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ کسی کے کفریہ عقائد کا علم ہو جانے کے بعد اس شخص کو کافر نہ کہنے والا خود بھی مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کبھی کسی موقع پر علاج کی غرض سے سختی کرتے ہوئے نامناسب الفاظ استعمال کر لئے جائیں تو کیا وہ الفاظ بھی بے ادبی و گستاخی شمار ہوں گے؟ امداد الفتاویٰ، ج۴، ص۱۱۵ پر جناب اشرف علی تھانوی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وہابیوں دیوبندیوں کے امام جناب اسمٰعیل دہلوی پھلتی بالا کوٹی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں بعض الفاظ جو سخت واقع ہو گئے ہیں (وہ الفاظ) اس زمانہ کی جاہلیت کا علاج تھا۔۔۔۔ یہ بیشک بے ادبی گستاخی ہے (جو اسمٰعیل دہلوی نے ان الفاظ میں کی) ان الفاظ کو استعمال بھی نہ کیا جاوے گا''۔

جناب اشرف علی تھانوی کے پیشوا جناب رشید احمد گنگوہی اس کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردِّ شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس (کتاب) کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس (کتاب) کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۱)

گنگوہی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ''وہ (اسمٰعیل دہلوی) قطعی جنتی ہے اور مخلص ولی ہے، ایسے شخص کو مردود کہنا خود مردود ہونا ہے اور ایسے مقبول کو کافر کہنا خود کافر ہونا ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ۱۶/۳)

جناب اشرف علی تھانوی کا کہنا ہے کہ کتاب تقویۃ الایمان کے الفاظ میں بیشک بے ادبی اور گستاخی ہے اور گنگوہی صاحب بھی پہلے یہ فرما چکے ہیں کہ ''حقارت و توہین کی نیت و گمان کے بغیر بھی شانِ رسالت میں حقارت آمیز الفاظ کہنے والا کافر ہو جاتا ہے''۔ طرفہ تماشا ہے کہ وہی گنگوہی صاحب حقارت و اہانت کے الفاظ سے بھری ہوئی کتاب تقویۃ الایمان کو پڑھنا اور رکھنا عین اسلام اور بے ادبی و گستاخی کرنے والے اسمٰعیل دہلوی کو (جانے کون سے علم سے) قطعی جنّتی بھی فرما رہے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی صاحب کی کتاب تقویۃ الایمان کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں اور قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ یہ الفاظ عین اسلام ہیں یا بیشک بے ادبی و گستاخی ہیں؟

- نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی سی کرنی چاہئے۔ (ص۵۷)
- اللہ کے روبرو سب انبیاء اور اولیاء ایک ذرّہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔ (ص۵۴)
- بڑی مخلوق یعنی انبیاء اور چھوٹی مخلوق یعنی باقی سب بندے اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہیں۔ (ص۱۴)
- نبی رسول سب ناکارہ ہیں۔ (ص۲۹)
- بڑے یعنی نبی اور چھوٹے یعنی باقی سب بندے بے خبر اور نادان ہیں۔ (ص۳)
- رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (۵۶)
- حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے۔ (ص۵۹)
- گاؤں میں جیسا درجہ چوہدری، زمیندار کا ہے ویسا درجہ اُمت میں نبی کا ہے۔ (ص۶۱)
- محمد یا علی (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کسی چیز کا مختار نہیں، نبی ولی کچھ نہیں کر سکتے۔ (ص۴۱)

- حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے حواس ہو گئے۔ (ص۵۵)
- اللہ چاہے تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے برابر کروڑوں پیدا کر ڈالے۔ (ص۱۶)
- نبی کی تعریف صرف بشر کی سی کرو۔ (ص۳۵)
- اللہ کو مانو، اس کے سوا کسی کو نہ مانو۔ (ص۱۴)
- نبی اور ولی کو اللہ کی مخلوق اور بندہ جان کر وکیل اور سفارشی سمجھنے والا، مدد کیلئے پکارنے والا، نذر و نیاز کرنے والا مسلمان اور کافر ابو جہل شرک میں برابر ہیں۔ (ص۲۷،۷)

تقویۃ الایمان (العیاذ باللہ) کتاب کے ان الفاظ پر کوئی تبصرہ کئے بغیر اسمٰعیل دہلوی صاحب کی ایک اور کتاب "صراطِ مستقیم" کی ایک عبارت بھی پیش کر رہا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔ اسماعیل دہلوی پھلتی لکھتے ہیں:۔

"بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است کہ خیال آں با تعظیم و اجلال بسویدائے دل انسان می چسپد بخلاف خیال گاؤ خر نہ کہ آں قدر چسپیدگی می بود نہ تعظیم بلکہ مہان و محقر می بود و ایں تعظیم و اجلال غیر کہ در نماز ملحوظ مقصود می شود بشرک می کشد" (ص۸۶۔ مطبوعہ مجتبائی)

ترجمہ: بعض ظلمتیں بعض ظلمتوں پر فوقیت رکھتی ہیں کے اقتضاء کے مطابق زِنا کے وَسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت (ہم بستری) کرنے کا خیال بہتر ہے اور شیخ (پیر) یا اس کے مثل بزرگوں کی طرف توجہ کرنا اگرچہ جناب رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوں۔ بہت ہی زیادہ بُرا ہے اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے، اسلئے کہ ان (بزرگوں) کا خیال تعظیم و بزرگی کیساتھ آتا ہے اور انسان کے دل سے چمٹ جاتا ہے اسکے برخلاف بیل اور گدھے کے خیال میں نہ اسقدر دلچسپی ہوتی ہے، نہ تعظیم، بلکہ (ان کا خیال) ذلیل و حقیر ہوتا ہے اور یہ (بزرگوں کی) تعظیم و بزرگی جو نماز میں ملحوظ و مقصود ہوجاتی ہے، شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

اس عبارت کی ناپاکی پر قارئین نے توجہ کی ہوگی کہ اسمٰعیل دہلوی کا کہنا ہے کہ زِنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت کرنے کا خیال بہتر ہے، لیکن اولیاء اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال اور ان کی طرف توجہ کرنا، بیل گدھے کے خیال میں غرق ہوجانے سے بہت زیادہ بدتر ہے۔ یہ بلاشبہ سخت بے ادبی و گستاخی ہے۔

اسمٰعیل دہلوی نے نماز میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیال کو جانوروں کے خیال میں ڈوب جانے سے بہت برا ثابت کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال تعظیم و بزرگی کے ساتھ آتا ہے اور نماز میں غیر کی تعظیم، شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے اور جانوروں کے خیال میں چونکہ حقارت وذِلت ہوتی ہے، اس لئے نماز میں حقیر و ذلیل خیال اور توجہ اتنی بری نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ خود اسمٰعیل دہلوی کی اور ان لوگوں کی نماز کیسے ادا ہو گی، جو اسمٰعیل دہلوی کو قطعی جنتی، مخلص ولی اور اس کی دیگر ناپاک تحریروں کے ساتھ اس عبارت کو بھی دُرست اور حق مانتے ہیں؟ یہ سوال نہایت اہم ہے، کیونکہ ہر نمازی جانتا ہے کہ نماز میں قرآن کریم پڑھنا فرض ہے اور قرآن کریم، ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھرا ہوا ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صفاتی ناموں کے ساتھ ساتھ کچھ آیات میں ذاتی نام مبارک بھی ہے، آیاتِ قرآنی میں "النبی" اور "الرسول" کے الفاظ جابہ جا ہیں۔ ان کو پڑھ سن کر یقیناً رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آئے گا۔ خاص طور پر قعدہ میں التحیات پڑھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہوئے اور پھر ممکن نہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کی آل پاک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پاک پر درود شریف پڑھتے ہوئے ان کا خیال نہ آئے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال بلاشبہ تعظیم و توقیر کے ساتھ آئے گا کیونکہ خیال کی دو ہی صورتیں ہیں، تعظیم کے ساتھ یا تحقیر کے ساتھ۔ اگر تعظیم کے ساتھ خیال آیا تو اسمٰعیل دہلوی کے مطابق شرک کی طرف کھنچ گیا، لہٰذا نماز ادا نہ ہوئی اور اگر تحقیر کے ساتھ خیال آیا تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحقیر بلاشبہ کفر ہے، اس صورت میں نماز کیسے ادا ہو گی؟ اب اس شرک و کفر سے بچنے کی ایک صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ سرے سے التحیات ہی نہ پڑھی جائے، مگر ایسا کرنے سے بھی نماز ادا نہیں ہوتی۔ اب اسماعیلی دیوبندی وہابی بتائیں کہ ان کی نماز کیسے ادا ہو گی؟ قرآن نہ پڑھیں تب بھی نہیں ہو گی کیونکہ اس کا پڑھنا فرض ہے، اگر پڑھیں تو کسی قرآنی لفظ سے خیال، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف چلا گیا تو بھی نماز نہیں ہو گی اور التحیات پڑھنے اور نہ پڑھنے دونوں صورتوں میں نماز ادا نہیں ہوتی۔ قارئین خوب جان لیں گے کہ جب ان اسماعیلی وہابی دیوبندی کی اپنی نماز ادا نہیں ہوئی تو ان کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز کیسے ادا ہو گی کیونکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کی امامت کا تصور ہی باطل ہے۔ اسمٰعیل دہلوی صاحب کی اس عبارت کے مطابق ذرا اشرف علی تھانوی صاحب کا حال بھی ملاحظہ ہو۔ جناب عبد الماجد دریابادی علمائے دیوبند میں مشہور ہیں۔ اشرف علی تھانوی صاحب سے انہیں کس قدر عقیدت تھی، خود ان کے اپنے قلم سے ملاحظہ ہو۔ اپنی کتاب حکیم الامت ص ۶۳۔ ۶۴ پر لکھتے ہیں، "نماز میں جی نہ لگنے کا مرض بہت پرانا ہے۔ لیکن کبھی یہ تجربہ ہوا ہے کہ عین حالتِ نماز میں جب کبھی بجائے اپنے، جناب (تھانوی) کو نماز پڑھتے فرض کر لیا تو اتنی دیر تک نماز میں دل لگ گیا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ خود یہ تصور بھی عرصہ تک قائم نہیں رہتا بہر حال اگر یہ عمل محمود ہو تو تصویب فرمائی جائے ورنہ آئندہ احتیاط رکھوں۔

(تھانوی صاحب جواب میں تحریر فرماتے ہیں) "محمود ہے، جب دوسروں کو اطلاع نہ ہو ورنہ سم قاتل ہے"۔

اشرف العلوم بابت ماہ رمضان ۱۳۵۵ھ میں ۱۶ میں ہے کہ جناب اشرف علی کو "کسی نے خط لکھا کہ اگر آپ کی صورت کا تصور کر لوں تو نماز میں جی لگتا ہے۔ (تھانوی نے جواباً) فرمایا، جائز ہے"۔

اسمٰعیل دہلوی نے نماز میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیال کو جانوروں کے خیال میں غرق ہو جانے سے بہت ہی زیادہ برا لکھا اور اشرف علی تھانوی صاحب اپنے خیال کو محمود (بہت اچھا) اور جائز فرما رہے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب کا خیال تعظیم کے ساتھ درست ہو گا یا تحقیر کے ساتھ؟ اگر تعظیم کے ساتھ درست مانا جائے، تو اسمٰعیل دہلوی صاحب کے مطابق شرک ہو گا اور اگر تحقیر کے ساتھ درست مانا جائے، تو جناب رشید احمد گنگوہی کے مطابق کفر ہو گا۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ج۳ ص۵ پر وہ لکھتے ہیں کہ " علماء کی توہین و تحقیر کو چونکہ علماء نے کفر لکھا ہے جو بوجہ امر علم کے اور دین کے ہو"۔) تھانوی صاحب نے اپنے خیال کو جو بہت اچھا اور جائز کہا ہے تو یقیناً تعظیم کیساتھ خیال کو کہا ہو گا مگر تعظیم میں شرک اور تحقیر میں کفر ہوتا ہے۔ اب دیوبندی وہابی بتائیں کہ ان کے ان تینوں بڑوں میں سے کس کی بات دُرست ہے؟ اگر اسمٰعیل دہلوی کو درست کہیں تو اس کا انجام جو ہو گا وہ قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اگر اشرف علی تھانوی کو درست کہیں تو انہی کے دونوں بڑے نماز ادا نہیں ہونے دیتے بلکہ کفر و شرک کا حکم سنا دیتے ہیں۔ ان دیوبندیوں وہابیوں پر بلاشبہ یہ وبال ہے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی کا کہ ان میں کا ہر ایک، ان تینوں کا ماننے والا اور پیروکار ہونے کی وجہ سے نماز ہی سے محروم ہے۔ (اللھم احفظنا منھم)

جناب اسمٰعیل دہلوی کی دو کتابوں کے بعد تیسری کتاب یک روزی کے ص۱۴۵ کی ایک ناپاک عبارت بھی ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں کہ "پس ہم نہیں مانتے کہ خدا کا جھوٹ محال بالذات ہو ورنہ لازم آئے گا کہ قدرتِ انسانی قدرتِ ربانی سے زائد ہے"۔

اس عبارت میں اسمٰعیل دہلوی صاحب نے صاف فرما دیا کہ "ہم (وہابی دیوبندی) نہیں مانتے کہ اللہ جھوٹ نہیں بول سکتا" (العیاذ باللہ) ۔ مشہور مثال ہے کہ "گرو جنہاں نے ٹپنے تے چیلے جان شڑپ" امام جب ایسا گستاخ ہو گا تو اس کے پیروکار چار ہاتھ آگے ہی ہوں گے، دیگر علمائے دیوبند کی تائید بھی ملاحظہ ہو۔ جناب رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ، ج۱ ص۱۹ پر فرماتے ہیں کہ "الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے"۔ جناب اشرف علی تھانوی کے استاد جناب محمود الحسن دیوبندی جنہیں "شیخ الہند" کہا جاتا ہے، وہ صرف جھوٹ ہی پر بس نہیں کرتے بلکہ یہ الفاظ لکھتے ہیں کہ "افعال قبیحہ مقدور باری تعالیٰ ہیں"۔ (الجہد المقل، ص۸۳)

تذکرۃ الخلیل، ص۱۳۵ پر جناب عاشق الٰہی میرٹھی نے جناب خلیل احمد انبیٹھوی کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے کہ "یہ کلیہ مسلمہ اہل کلام ہے جو مقدور العبد ہے وہ بمقدور اللہ ہے"۔

ان تمام عبارتوں سے علمائے دیوبند نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے اور برے کام کر سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

علمائے دیوبند کی مزید چند عبارات ملاحظہ ہوں۔ دار العلوم دیوبند کے بانی کہلانے والے جناب محمد قاسم نانوتوی جنہیں "قاسم العلوم والخیرات" بھی کہا جاتا ہے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "عوام کے خیال میں تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے"۔ مزید فرماتے ہیں کہ "بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئیگا"۔ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اگر بالفرض آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔ (ص ۳، ۱۳، ۲۴)

جناب خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری علمائے دیوبند کے بڑے استاد ہیں، اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں جو کچھ فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:۔

- الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (ص ۵۱)
- ایک خاص علم کی وسعت آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو نہیں دی گئی اور ابلیس لعین کو دی گئی ہے۔
- اور ملک الموت سے (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے) افضل ہونے کی وجہ سے ہر گز (یہ) ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔ (ص ۵۲) (الشہاب الثاقب ص ۹۲ پر حسین احمد ٹانڈوی مدنی نے بھی ان عبارات کی تائید و تصدیق کی ہے)۔
- اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے انجام اور دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (ص ۵۱)
- حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوبند کے علماء کے تعلق سے اُردو زبان آئی۔ (ص ۲۶)
- نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اپنا بھائی کہنا درست ہے۔ (ص ۳)

جناب محمد قاسم نانوتوی اور خلیل احمد انبیٹھوی کے بعد جناب اشرف علی تھانوی کی ایک نہایت ناپاک عبارت ملاحظہ ہو۔ یہ تھانوی صاحب دیوبندیوں وہابیوں کے مجدد، حکیم الامت اور جانے کیا کیا ہیں۔ اپنی کتاب حفظ الایمان کے ص ۷۔۸ پر لکھتے ہیں:

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں اس میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون حیوانات و بہائم کیلئے بھی حاصل ہے''۔ (العیاذ باللہ)

برصغیر پاک و ہند میں دیوبندیوں وہابیوں کے سب سے بڑے گرو جناب اسمٰعیل دہلوی پھلتی ہیں ان کے بعد جناب رشید احمد گنگوہی، جناب محمد قاسم نانوتوی، جناب خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری اور جناب اشرف علی تھانوی درجہ بدرجہ ہیں۔ دیوبندی علماء و عوام نے اپنے ان بڑوں کیلئے جو القاب وغیرہ استعمال کئے ہیں اور ان کی تعریف و شان میں جو کچھ لکھا ہے اگر اسے صحیح مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد انہیں لوگوں کا مرتبہ و مقام نظر آئے اور تمام انبیاء و اولیاء کی حیثیت ثانوی و معمولی ہو کر رہ جائے۔ ان لوگوں کی تحریروں میں یہ دورُخی صاف نظر آتی ہے کہ اپنے بڑوں کیلئے یہ لوگ ہر کمال و خوبی کو ثابت کرنے کیلئے اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کرتے ہیں اور انبیاء و اولیاء کے معاملے میں ان کی زبان و قلم کا یہ حال ہے کہ اچھے الفاظ اور پیرایہ بیان تو ایک طرف رہے بلکہ یہ لوگ تو چھانٹ چھانٹ کر وہ لفظ اور لہجہ استعمال کرتے ہیں جس سے توہین و تنقیص اور بے ادبی و گستاخی میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ یہی نہیں بلکہ غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط ثابت کرنا اور ہٹ دھرمی ان کا وتیرہ ہے۔ اس خادمِ اہل سنت نے اپنی کتابوں ''دیوبند سے بریلی (حقائق)'' اور ''سفید و سیاہ'' میں اسی موضوع پر بہت کچھ تحریر کیا ہے۔ امامت کے مسئلہ کو تحریر کرتے ہوئے یہ مختصر تفصیل اس لئے پیش کی ہے کہ خود وہابی دیوبندی علماء کا کہنا ہے کہ بغیر نیت و ارادہ کے بھی اگر شانِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نامناسب اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو یہ کفر ہے، مگر ستم یہ ہے کہ جن دیوبندی وہابی علماء نے بے ادبی اور گستاخی کی، ان کے بارے میں خود دیوبندی وہابی علماء ہی کے فتوے کے مطابق کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا بلکہ ان کی کفریہ عبارتوں کو ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ دیوبندی وہابیوں نے اپنے لئے حرام کو حلال کر لیا ہے اور خود کو شریعت و سنت کے ہر قانون سے مستثنیٰ سمجھ لیا ہے۔ ان کا یہ رویہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے چند بڑوں کی عزت جس قدر پیاری ہے اس قدر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و ناموس ہرگز عزیز نہیں۔ ہو سکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال اُبھرے کہ جن لوگوں نے بے ادبی گستاخی کی وہ تو گزر گئے، انہیں کافر کہنے اور کافر منوانے کی کیا ضرورت ہے اور موجودہ دیوبندی وہابی اپنے بڑوں کے ان کفریہ الفاظ کو نہیں دہراتے لہٰذا انہیں ان کے زمرے میں کیوں شامل کیا جائے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کوئی کفر کرے اور توبہ کئے بغیر اس کی موت واقع ہو جائے تو موت اس کے کفر کو ختم نہیں کرتی۔ کافر کو مرنے کے بعد بھی

کافر ہی کہا جاتا ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ ہو سکتا ہے کہ بے ادبی کرنے والوں نے توبہ کرلی ہو تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ ان لوگوں کی توبہ کا خیال وہی کرے گا جو ان کے کفر کو تسلیم کرے گا، جب دیوبندی وہابی اپنے بڑے علماء کے کفر کو کفر ہی ماننے کے روادار نہیں تو ان کے نزدیک ان کی توبہ کا خیال کیسے ممکن ہوگا۔ رہی یہ بات کہ موجودہ دیوبندیوں وہابیوں کو ان کے زمرے میں کیوں شامل کیا جائے تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ خود علمائے دیوبند کا فرمان ہے کہ کفر کو کفر نہ ماننا بھی کفر ہے اور کافر کو مسلمان کہنا خود کافر ہونا ہے۔ اگر موجودہ دیوبندی وہابی اپنے بڑوں کے کفریہ کلمات نہیں دہراتے تو سوال یہ ہے کہ یہ ان کے کفریہ کلمات کو کفریہ مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر کفریہ مانتے ہیں تو ان کلمات کے کہنے اور ماننے والوں کو کافر مانتے ہیں یا نہیں؟

اور ان کفریہ کلمات کے کہنے والوں کو مسلمان ماننے والے لوگوں کو کافر مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر کافر نہیں مانتے تو خود دیوبندی وہابی علماء کا یہ کہنا ہے کہ کافر کو کافر نہ ماننا بلکہ مسلمان کہنا یہ کفر ہے اور ایسا کرنا خود کافر ہونا ہے۔

قارئین شاید یہ خیال کریں کہ ان لوگوں کے کفر پر کیوں اصرار ہے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ اس ہستی کی عزت و ناموس کا مسئلہ ہے جس پر ایمان کا انحصار ہے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت سے بڑھ کر مخلوقِ خدا میں کسی کی عزت نہیں۔ دیوبندی وہابی علماء تو اپنے عقائد میں اس قدر تشدد پسند ہیں کہ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے والوں سے نکاح کو ناجائز کہتے ہیں، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور یا علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور یا غوثِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہنے والوں کو مشرک کہتے ہیں، اولیائے کرام (رضوان اللہ عنہم) کے عرس منانے والوں کو بدعتی اور جہنمی کہتے ہیں، محبت سے اولیاء کے مزارات اور ان کے غلاف کو چومنے والوں کو قبر پجاری اور مشرک کہتے ہیں۔ دیوبندی وہابی ملاں اگر نیک، جائز اور مبارک کام کرنے والوں کو خواہ مخواہ مشرک و بدعتی اور جہنمی کہتے رہیں تو کسی کو کوئی پریشانی نہ ہو اور اگر نبیوں کے نبی، افضل الخلق، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی کرنے والوں پر کفر کا حکم لگایا جائے اور خود دیوبندی وہابیوں کے فتویٰ کے مطابق لگایا جائے تو دیوبندی ملت یا ان کے حامیوں کا تلملانا ہرگز درست نہیں بلکہ انہیں سچ اور حقیقت کو قبول کرنا چاہئے اور کفر سے توبہ کر کے اپنے ایمان کو بچانا چاہئے۔

دیوبندی وہابی گروہ کے علاوہ دوسرا گروہ نجدی وہابیوں کا ہے جو محمد بن عبد الوہاب نجدی کے پیروکار ہیں جنہیں صرف وہابی یا نجدی کہا جاتا ہے ان کے بارے میں جناب حسین احمد مدنی نے اپنی کتابوں الشہاب الثاقب اور نقش حیات میں اور جناب اشرف علی تھانوی نے افاضات الیومیہ اور تمام علمائے دیوبند نے المہند وغیرہ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی فاسق وظالم اور کافر تھا اور اس کے پیروکاروں کو وہابیہ خبیثہ اور طائفہ شنیعہ لکھا ہے۔(تفصیل کیلئے میری کتاب "سفید وسیاہ" ملاحظہ فرمائیں)۔ موجودہ دیوبندی وہابی خود کو عرب کے نجدی وہابیوں کا ہم نوا ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان نجدی وہابیوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اگر یہ واقعی ان کے ہم نوا ہیں اور انہیں درست جانتے ہیں تو اپنے بڑوں کی ان تحریروں کو غلط اور باطل ثابت کریں جن میں نجدی وہابیوں کے گندے عقیدے لکھ کر ان کو برا کہا گیا ہے۔ اور تمام دیوبندی ان نجدیوں کے گندے عقیدوں سے اپنی وابستگی اور تائید و تصدیق کا اعلان کریں اور نجدی وہابیوں کے عقائد کے خلاف تمام دیوبندی وہابی علماء کی ان تمام تحریروں کی تائید کرنے والوں کو بھی غلط قرار دیں۔ تاکہ سچی ہم نوائی ثابت ہو۔ یہ کیسی ہم نوائی ہے کہ نجدی وہابیوں کے خلاف اپنے بڑوں کی تحریروں کی اشاعت بھی جاری ہے اور نجدی وہابیوں کے عقائد کے خلاف عقیدہ و عمل بھی ہے۔

یہ تو نجدی وہابیوں سے پیسے بٹورنے کیلئے منافقانہ چال اور چاپلوسی ہے اور کھلے لفظوں میں مذہب فروشی ہے۔ جو لوگ علماء کہلا کر چند سِکّوں کے عوض عقائد و نظریات کی سودے بازی کر لیتے ہیں وہ سادہ لوح عوام کو کس کس طرح نہیں بہکاتے ہوں گے۔

اس تفصیل سے قارئین نے اچھی طرح جان لیا ہو گا کہ فاسق فی العقیدہ معلن اور غیر معلن کی پہچان کیسے ہو گی اور یہ بھی جان لیا ہو گا کہ سچا مسلمان کون ہے۔ وہ تمام دیوبندی وہابی اور نجدی وہابی جو اپنے بڑوں کی کفریہ عبارات کو درست مانتے ہیں اور ان عبارات کے کہنے اور ماننے والوں کو مسلمان جانتے ہیں، شریعت کے واضح احکام کے مطابق ان لوگوں کی اپنی نماز قائم نہیں ہوتی تو ان کی اقتداء میں کسی مسلمان کی نماز کیسے ادا ہو سکتی ہے۔ دیوبندی وہابی علماء کا بھی یہ کہنا ہے کہ "مقتدی اور امام کے عقائد و مذہب میں اس حد تک فرق ہو کہ بات کفر و شرک تک پہنچے تو نماز ادا ہونا کجا نماز قائم بھی نہیں ہوتی"۔ (احسن الفتاویٰ از مفتی رشید احمد لدھیانوی)

"مسائل امامت" کے نام سے دارالعلوم دیوبند کے مفتیوں کی مصدقہ کتاب میں محمد رفعت قاسمی صاحب نے مودودی صاحب کے پیروکار (جماعتِ اسلامی کے لوگوں) شیعہ، اہل حدیث اور منکرین حدیث اور غیر مقلدین کے پیچھے نماز ادا کرنے سے منع کیا ہے۔ اور حنفی کو ایسے شافعی و حنبلی کی اقتداء سے بھی منع کیا ہے جو حنفی مذہب کے مطابق رعایت نہ کرے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ جس شخص کے کفریہ عقائد کا بعد میں پتا چلے، اس شخص کے کفر کا غالب گمان جب ہو جائے تو اس کے پیچھے ادا کی ہوئی نمازوں کو دہرانا فرض ہے"۔ (ص ۸۳، ۱۰۱، ۱۱۵)

محمد رفعت قاسمی صاحب نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقائد رکھنے والے صحیح العقیدہ سنّی "بریلویوں" کے پیچھے بھی نماز کو درست لکھا ہے اس سلسلے میں صرف یہ عرض ہے کہ محمد رفعت قاسمی صاحب تو نہیں معلوم کس درجے میں ہیں، دیوبندی وہابی علماء کے تو "حکیم الامت" اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی بریلویوں کے پیچھے نماز کو درست فرمایا ہے۔ (افاضات یومیہ)

البتہ ہم اہل سنت و جماعت سنّی، جنہیں کچھ لوگ بریلوی بھی کہتے ہیں۔ جو ان دیوبندیوں وہابیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کو منع کرتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہ خادم اہل سنت تفصیل سے بیان کر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے ادب یا بے ادب کی حمایت و تائید کرنے والے کی اقتداء کسی طرح درست نہیں۔ قارئین اپنی قلبی طمانینت اور اپنے یقین کی پختگی کیلئے ایک حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: ایک شخص ایک قوم کا امام تھا تو اس نے قبلہ کی سمت تھوکا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تو فرمایا (یہ شخص اس نماز سے) فارغ ہونے کے بعد آئندہ (امام بن کر) تمہیں نماز نہ پڑھائے، پس اس (وقت) کے بعد جب اس شخص نے اس قوم کو (اپنی امامت میں) نماز پڑھانا چاہی تو قوم نے اس کو (امام بننے سے) روک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد (کہ اس کو امام نہ بنانا) کی خبر دی تو اس شخص نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس (ارشاد) کا ذکر کیا (کہ کیا آپ نے واقعی لوگوں کو میرے پیچھے نماز ادا کرنے سے روکا ہے؟) تو (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے) فرمایا، ہاں (میں نے روکا ہے)۔

حدیث کے راوی حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص سے یہ بھی فرمایا بیشک تم نے (قبلہ کی سمت تھوک کر) اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔

اس حدیث شریف سے چند باتیں واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں:۔

- نماز والے امام صاحب بلاشبہ صحابیِ رسول تھے اور یہ طے ہے کہ صحابی کا درجہ ہر غیر صحابی سے افضل ہے، یہاں تک کہ کوئی غوث، قطب وغیرہ بھی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔
- صحابیِ رسول نے قبلہ کی سمت نا دانستہ تھوکا، یا ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بیت اللہ شریف کی سمت میں تھوکنا بیت اللہ شریف کی بے ادبی ہے۔
- قبلہ کی سمت میں تھوکنے سے اس امام کا مقصد ہرگز ہرگز، اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا نہیں تھا۔
- قبلہ کے سمت کی بے ادبی بھی ایسی بے ادبی ہے جو امامت صغریٰ کا اہل بھی نہیں رہنے دیتی۔
- صرف قبلہ کی سمت کا احترام نہ کرنا بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذیت کا باعث ہے۔

قارئین اندازہ کرلیں گے جب صحابیِ رسول جیسی مقدس ہستی سے نادانستہ طور پر کعبے کی سمت بے ادبی ہوئی اور وہ امامت کیلئے نااہل قرار دے دیئے گئے، تو جو لوگ کعبۃ اللہ کے بھی کعبہ اور ایمان کی جان، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دیدہ و دانستہ بے ادبی کریں اور بے ادبی کو بھی بے ادبی نہ مان کر ہٹ دھرمی کریں، وہ خواہ کتنے بڑے عالم و فاضل وغیرہ کہلاتے ہوں، وہ بلاشبہ یقیناً قطعاً امامت کے لائق نہیں ہوسکتے، کیونکہ وہ لوگ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخت اذیت کا باعث ہیں۔

(اللھم احفظنا منھم)

خلاصہ کلام یہ کہ فسق (نافرمانی) اگر اعتقادی ہو اور فاسق (نافرمان) کھلے عام، اعلانیہ اپنے ایسے عقیدوں پر قائم ہو جو کہ کفر و شرک کی حد کو پہنچے ہوئے ہوں، ان کے بارے میں فقہائے اسلام کا ارشاد یہ ہے کہ کوئی شخص اگر ضروریاتِ دین کا منکر نہ ہو لیکن اسلام کے کسی قطعی اصول، حکم اور قاعدے ضابطے کا بھی منکر یا مخالف ہو تو وہ شخص کافر ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل ہے، ہرگز ہرگز ایسا شخص امامت کے لائق نہیں۔ متکلمین علمائے دین ایسے شخص کی تکفیر (کافر قرار دینے) میں احتیاط برتتے ہیں، مگر ایسے شخص کی امامت کے بارے میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ نماز فاسد ہوگی یعنی ایسے شخص کی تکفیر میں جو احتیاط پیش نظر ہے وہی احتیاط ایسے شخص کو امام بنانے میں بھی پیش نظر ہوگی اور اسی احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔

فان الصلوة اذا صحت من وجوه وفسدت من وجه حکم بفسادھا

اور وہ شخص جس کا فسق اعتقادی، کفر و شرک کی حد کو نہ پہنچا ہو، وہ فاسق غیر معلن اعتقادی ہے اس کے پیچھے نماز ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور جو لوگ اس شخص کی اقتداء کرتے ہوں ان سب کو نماز کا اعادہ (دہرانا) واجب (ضروری) ہے، کیونکہ واجب اور تحریم ایک ہی مرتبہ میں ہیں یعنی جن شرائط کے ساتھ کسی کام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے انہیں شرائط کی بنیاد پر کسی کام کی تحریم (حرام ہونا) ثابت ہوتی ہے۔ قارئین کرام گزشتہ صفحات میں امام اور مقتدی کی نماز وابستہ ہونے کی شرائط میں ملاحظہ کرچکے ہیں کہ پہلی شرط "اسلام" ہے۔ اگر امام اپنے عقیدہ و نظریات کے لحاظ سے مسلمان ہی نہیں تو اس کی امامت کا تصور ہی باطل ہے، جب امام کی اپنی نماز صحیح اور قائم نہیں ہوگی تو نماز اقتداء کی شرط بھی قائم نہیں ہوگی اور اقتداء کی یہ شرط ہے کہ امام کی اپنی نماز صحیح ہو ورنہ مقتدی کی نماز اس امام سے وابستہ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جائے گا۔

اس معاملے میں قارئین کیلئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی شخص کے اعتقادی فسق (کفریہ عقائد) پر یقینی اطلاع ضروری ہے۔ عام مسلمانوں میں اس شخص کے عقائد کی شہرت اس بات کے یقین کیلئے کافی ہے اور عام مسلمان اس شخص کی شہرت کے مطابق احتیاط برتیں۔ اور اہلِ علم کو حتی الوسع تحقیق کرنا ضروری ہے اور تحقیق کے بعد اعلان بھی ضروری ہے تاکہ عام مسلمان اپنی نمازوں کا تحفظ کر سکیں۔ واضح رہے کہ اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین اور قطعیات کا منکر و مخالف ہو، تو ضروریاتِ دین میں تاویل وغیرہ ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ چنانچہ افاضات یومیہ، ج۷ ص۶۰ پر جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ "ضروریات دین میں تاویل دافع کفر نہیں"۔ اس معاملے میں مصلحت کا دعویٰ و بہانہ بھی باطل ہے۔ علمائے دین کا فرض ہے کہ وہ مسلم عوام کے عقائد و نظریات کی حفاظت کیلئے حق بات لوگوں تک پہنچائیں اور مسلم عوام پر لازم ہے کہ وہ صحیح العقیدہ علمائے حق علمائے دین سے حقائق دریافت کریں اور علمائے حق انہیں جو حقائق بتائیں، عوام ان حقائق کو دل وجان سے تسلیم کریں۔

اعتقادی فاسق کے احکام کی اس تفصیل کے بعد عملی فاسق کے احکام سوال نمبر ۴ کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(سوال نمبر ۴) حدیث شریف میں ہے کہ "صلوا خلف کل بر و فاجر" اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس حدیث شریف "صلوا خلف کل بر و فاجر" کا ترجمہ یہ ہے کہ "ہر نیک و بد کے پیچھے نماز ادا کرلو"۔ محدثین علمائے دین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عملی فاسق کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کیونکہ اعتقادی فاسق کے پیچھے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ جو شخص عملی فاسق ہو، اس کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ شخص کبیرہ (بڑے) گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے یا صغیرہ (چھوٹے) گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے؟ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ کھلے عام گناہ کرتا ہے، یا چھپ چھپ کر نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کی شہرت کا احوال بھی پیش نظر رکھا جائے اور ضرورت پر تحقیق و تفتیش بھی کی جائے، کیونکہ عملی فسق میں معلن (اعلانیہ) اور غیر معلن کا معاملہ اعتقادی فاسق کی طرح سنگین اور شدید نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ابتداء سے انتہاء تک کے احوال کا علم عطا فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے علم سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ ان کی اُمت کے اکابر و اصاغر (بادشاہ و عوام) کیسے ہوں گے۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ جانتا ہے کہ خلفائے اسلام' ملتِ اسلامیہ کی قیادت صرف سیاسی معاملات ہی میں نہیں کرتے تھے بلکہ نمازوں کی امامت بھی وہی کرتے تھے۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے اور بتائے ہوئے راستے کے مطابق نیابت و خلافت) کی مدت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد تیس برس تھی، جو بالترتیب حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق، حضرت سیّدنا عمر فاروق، حضرت سیّدنا عثمان غنی، حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ اور حضرت سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ ہائے خلافت میں پوری ہوگئی۔ اس کے بعد ملوکیت (بادشاہت) شروع ہوگئی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ملک (بادشاہ) ہوئے۔ امامت کبریٰ (بڑی امامت) کیلئے اہلیت کی جو شرائط قرآن و سنت کے واضح احکام میں ہیں، سلطنتِ اسلامیہ میں یکے بعد دیگر اقتدار سنبھالنے والے سب ملوک (بادشاہان) میں وہ نہیں پائی جاتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ایسے امراء اور حکام بھی ہوں گے، جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہوں گے اور لوگوں پر ظلم و جبر کرکے انہیں ناخوش رکھیں گے اور لوگوں کی مرضی کے بغیر ان پر مسلط رہیں گے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "عنقریب میرے بعد ایسے حکم کرنے والے ہوں گے جو تمہیں ان باتوں کا حکم دیں گے جن میں تم بھلائی نہیں دیکھو گے اور وہ کچھ کریں گے جس کو تم برا جانو گے"۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ " میرے بعد وہ لوگ تم پر امیر ہوں گے جو نمازوں کو ان کے وقت سے مؤخر کریں گے یعنی اپنی طبیعت اور حکم کے مطابق نماز کے اوقات چاہیں گے "۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے تھے کہ صالح اور شریف لوگ' ایسے حکام کی اقتداء کو اپنے دل سے ہرگز پسند نہیں کریں گے اور انکار کی صورت میں حکام کے ظلم و ستم کا نشانہ بنیں گے اور ایسے امراء سے اختلاف ضرور فتنہ و فساد اور

تباہی کا باعث ہو گا اور ارشادِ ربانی ہے کہ "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" اور فتنہ بہت شدید ہے قتل سے، یعنی قتل کا جرم شدید ہے مگر فتنہ کرنا اس سے بہت زیادہ شدید ہے۔ اس لئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس معاملے میں فتنہ کا دروازہ بند کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ "صلوا خلف کل بر و فاجر" کہ ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لو، یعنی وہ شخص جو اپنی بد عملی کے سبب امامت کا صحیح اہل تو نہیں اور تم اسے امام بنانا پسند بھی نہیں کرتے اور بآسانی اس کو امامت سے الگ بھی نہیں کرسکتے تو ایسی صورت میں یہی فیصلہ ہے کہ عملی فاسق کے پیچھے نماز ادا کرنے کا جبر پایا جائے تو مجبوراً نماز ادا کرلی جائے۔ اور امام فاسق معلن عملی ہو تو اپنی نماز کو ضرور دہرا لے کیونکہ فاسق معلن کے پیچھے نماز کی ادائی مکروہِ تحریمی ہے جس کا اعادہ (دہرانا) واجب ہے اور اگر امام فاسق غیر معلن عملی ہو تو اس کے پیچھے نماز کی ادائی مکروہِ تنزیہی ہے جس کا اعادہ (دہرانا) ضروری نہیں اور جن صورتوں میں تحریمی کراہت کا حکم ہے ان میں نیک وبد سب کو نماز دہرانی ضروری ہوگی۔

اب پندرہویں صدی ہجری میں وہ حالات نہیں جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بعد اسلامی سلطنت میں تھے۔ اب متعدد اسلامی ممالک ہیں اور ان سب میں مکمل اسلامی نظام بھی رائج نہیں اور سربراہان حکومت اب نمازوں کی خود امامت نہیں کرتے۔ برصغیر پاک و ہند میں اور ان علاقوں کے باشندے جو دنیا بھر کے علاقوں میں رہتے ہیں، مساجد کے ایک نظام کے خوگر ہیں۔ اب اماموں کا تقرر، مسجدوں کی کمیٹیاں کرتی ہیں۔ کمیٹی کے ارکان کو مسجد کا امام مقرر کرتے ہوئے شریعت وسنت کے احکام کا خیال رکھنا چاہئے اور اس شخص کو امام مقرر کرنا چاہئے جو ایمان وعقائد اور تقویٰ و عمل میں صحیح ہو۔ اور ان لوگوں کو ہرگز امام نہیں بنانا چاہئے جن کی اپنی نماز قائم نہیں ہوتی، تاکہ وہ مسلمان جو مسجد انتظامیہ پر بھروسا کرتے ہوئے ان کے مقرر کئے ہوئے امام کے پیچھے نماز ادا کرنے آتے ہیں، ان کی نمازیں فاسد (خراب) نہ ہوں اور مساجد کی کمیٹیوں کے ارکان بھی گناہ گار نہ ہوں۔ اور علماء و مولوی کہلانے والے ان لوگوں کو بھی امامت کی خواہش نہیں کرنی چاہئے جو عقیدہ و عمل کے لحاظ سے دُرست نہ ہوں، کیونکہ امام اپنے مقتدیوں کی نماز کا بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کا مواخذہ ہو گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دنیا میں کسی ضد کی وجہ سے اپنی غلطی و کوتاہی کا اعتراف نہ کرتا ہو، مگر اسے یاد رکھنا چاہئے کہ بارگاہِ الٰہی میں اسے جواب دہ ہونا ہے۔

امامت صرف وہ لوگ کریں جو اس بات کی اہمیت کو سمجھتے ہوں کہ خود ان کی اپنی نماز، صحیح نماز ہوتی ہے اور ان کے مقتدیوں کی نماز بھی ان کے پیچھے درست ہو گی۔ وہ لوگ نماز کو خراب کرنے والی باتوں سے اجتناب کرتے ہوں اور اگر کسی شخص کو کہیں امام مقرر کر دیا جائے تو وہ محض اپنی تقرری کو اپنی اہلیت کی دلیل نہ سمجھے بلکہ علم نہ رکھنے کی صورت میں اہلِ علم سے حقائق معلوم کرے اور اپنی اصلاح کرے۔ اگر کسی امام کے مقتدی اس کی اقتداء کو ناپسند کرتے ہوں اور ناپسندیدگی کی وجہ شرعی اور معقول ہو، تو خواہ مخواہ ضد اور ہٹ دھرمی کرتے ہوئے امامت پر قابض نہیں رہنا چاہئے اور فتنہ کی راہ ہموار نہیں کرنی چاہئے۔

اگر امام کو ناپسند کرنے والے افراد زیادہ ہوں، تو ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے امام کو امامت سے الگ ہو جانا چاہئے اور اگر کچھ لوگ بغیر کسی معقول وجہ کے ناپسند کریں تو ایسی صورت میں چند افراد کی ناپسندیدگی کی پرواہ نہیں کی جائے گی، مگر یہ قانون اس امام کیلئے ہے جس کے عقائد میں کوئی خرابی نہ ہو، غلط عقیدے والا شخص ہرگز امامت کے لائق نہیں۔

چنانچہ جناب محمد رفعت قاسمی دیوبندی اپنی تالیف، مسائل امامت کے ص ۸۰ پر لکھتے ہیں کہ "کتبِ فقہ میں ہے کہ اگر امام میں کوئی نقص نہ ہو تو مقتدیوں کی ناراضی کا اثر نماز میں کچھ نہیں، امام کی نماز بلا کراہت درست ہے اور گناہ مقتدیوں پر ہے اور اگر امام میں کچھ شرعی نقص ہو اور مقتدی اس (نقص کی) وجہ سے ناخوش ہوں تو امام کے اوپر مواخذہ ہے اور اس کا امام بننا مکروہ (تحریمی) ہے"۔

قاسمی صاحب ص ۱۲۱ پر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "امامت کا مسئلہ بڑا اہم اور عظیم الشان ہے اسلئے امام اعلیٰ درجہ کا متقی و پرہیز گار، عالم، عامل، عاقل، اخلاقِ حمیدہ سے متصف، حسن قرأت سے اچھی طرح واقف، صحیح العقیدہ، تندرست و وجیہ، نماز کے مسائل کا جاننے والا اور ظاہری عیوب سے پاک ہونا چاہئے۔ مسلمانوں کے امام کی حیثیت فوج کے کمانڈر سے زیادہ ہی ہے اور فوجی افسر ظاہری عیب والا یعنی اندھا، لولا، ہاتھ کٹا، لنگڑا، ایک چشم، بیمار، اپاہج وغیرہ نہیں ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ نماز پڑھنے والوں نے امام کو اپنی مرضی اور خوشی سے امامت کیلئے مقرر کیا ہو اور اس کی امامت دل و جان سے قبول کرتے ہوں"۔

مزید لکھتے ہیں کہ "فاسق کا امام بننا مکروہ ہے۔ ہاں وہ اپنے جیسے (فاسق) کا امام ہو تو مکروہ نہیں ہے"۔ (ص ۱۲۲)

"اس شخص کی امامت مکروہ ہے جو فروعی مسائل میں مقتدی کے مسلک سے اختلاف رکھتا ہو، بشرطیکہ اس امر کا اندیشہ ہو کہ وہ ایسے اختلاف کی پرواہ نہ کرے گا جس سے نماز یا وضو جاتا رہتا ہے۔ لیکن اس امر میں شک نہ ہو۔ بایں طور کہ وہ جانتا ہو کہ اسے اختلاف کی پرواہ ہے یا یہ کہ اسے اس اختلاف کا علم ہی نہیں تو امامت مکروہ نہ ہو گی"۔ (ص ۱۲۳)

"اس شخص کا امام بننا مکروہ ہے جسے لوگ ناپسند کرتے ہوں اور اس کی کسی دینی خرابی کے باعث اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے کتراتے ہوں"۔ (ص ۱۲۳)

قاسمی صاحب کی کتاب "مسائل امامت" پر دار العلوم دیوبند کے بڑے مفتیان کرام کے تائیدی و تصدیقی کلمات اور دستخط بھی ہیں، لہٰذا دار العلوم دیوبند کی اس مصدقہ کتاب سے بھی یہ وضاحت ہوگئی کہ باجماعت نماز میں امام اور مقتدی کا ہم عقیدہ ہونا ضروری ہے اور اختلافِ عقائد کی صورت میں مقتدی کی نماز، امام کی نماز سے وابستہ نہیں کی جاسکتی اور فاسق فی العمل کے احکام کی وضاحت بھی ہوگئی۔ اس وضاحت کے بعد قارئین کی معلومات کیلئے ضروری سمجھتا ہوں کہ فقہائے کرام علمائے اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان افراد کی ایک مختصر فہرست یہاں درج کردوں جن کے پیچھے نماز باجماعت ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور ایسے لوگوں کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ [1]

- فاسق معلن عملی جو کھلم کھلا، اعلانیہ گناہِ کبیرہ کرتا ہو۔
- داڑھی مونڈنے، مونڈانے اور مسنون حد یعنی ایک مشت سے کم داڑھی والا۔
- سود لینے اور سود دینے والا (علمائے دین نے بینک کی ملازمت کو بھی سودی لین دَین میں شمار کیا ہے)۔
- ائمہ اربعہ (حضرت امام اعظم سیّدنا نعمان بن ثابت ابو حنیفہ، حضرت امام ادریس شافعی، حضرت امام محمد مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی تقلید کا انکار کرنے والا (غیر مقلد)۔
- حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق اور حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل جاننے والا (تفضیلی)۔
- حضرت امیر معاویہ، حضرت ابو سفیان، حضرت عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا کسی اور صحابیٔ رسول کی بے قدری و بے ادبی کرنے والا (تفسیقی)۔
- جس کی امامت سے لوگ کسی معقول اور شرعی وجہ سے ناخوش ہوں۔
- نماز میں جو باتیں مکروہ (بری اور ناگوار) ہیں، ان کا خیال کئے بغیر نماز پڑھانے والا۔
- سنتِ مؤکدہ (تاکیدی سنتوں) کا چھوڑنے والا۔
- نماز میں قرآن کریم کی قرأت اس طرح کرنے والا کہ آیاتِ قرآنی میں اتنا وقفہ کرے جس وقفہ میں تین مرتبہ "سبحان اللہ" بآسانی کہا جاسکے۔
- سنت کے مطابق حد سے زیادہ قرآن کی اتنی قرأت کرنے والا کہ نمازیوں پر گراں گزرے۔

---

[1] یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر نماز ادا کرتے ہوئے ارکانِ نماز میں سے کوئی فرض رہ جائے تو نماز کا دہرانا فرض ہے اور اسی طرح کسی واجب کام کا چھوڑ دینا یا مکروہِ تحریمی کام کرنے سے نماز دہرانا واجب ہو جاتا ہے اور کسی سنت کام کے چھوڑ دینے سے نماز دہرانا سنت ہے۔

- سونے یا چاندی کا کوئی زیور یا خالص ریشم پہننے والا۔ (چاندی کی ایک انگوٹھی اور بغیر چین کے سونے کے بٹن کے علاوہ)۔
- نصف کلائی سے لباس کی آستین اونچی رکھنے والا۔
- بیچ (درمیان) سر سے اپنی دستار، پگڑی کا کھلا رکھنے والا یعنی بغیر ٹوپی کے دستار پہننے والا۔
- گلے میں چادر، صافہ اور شال وغیرہ کا اس طرح لٹکانے اور گلے میں ڈالنے والا کہ دو طرفہ دونوں پلو لٹکتے ہوں۔
- شیروانی، اچکن، جبہ و کوٹ وغیرہ کا اس طرح پہننے والا کہ آستین میں ہاتھ بازو نہ ڈالے۔
- ایسا کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھانے والا کہ ہاتھ بھی کپڑے سے باہر ظاہر نہ ہوں۔
- منہ اور ناک ڈھکنے (چھپانے) والا۔
- نمازوں کو ادا نہ کرنے والا (تارکِ نماز)۔
- خود سے خواہ مخواہ اور ارادہ سے جماہی لینے والا (اگر جماہی خود بخود آئے تو ہونٹ دبا کر اسے روکا جائے ایک ہاتھ منہ پر رکھا جائے)۔
- نماز میں اُنگلیاں چٹخانے والا یا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کرنے (جکڑنے) والا اور ہاتھوں سے کنکریاں ہٹانے والا اور کمر پر ہاتھ رکھنے والا۔
- نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے والا۔
- نماز شروع کرنے سے پہلے لباس کے جوڑ یا بٹن اور انگرکھے (اچکن) کا دامن نہ باندھنے والا، نماز میں باندھنے والا۔
- دونوں ہاتھوں سے نماز میں کوئی ایسا کام کرنے والا جو عملِ کثیر ہو یا جس سے توجہ منتشر ہوتی ہو اور جس کام کے کرنے سے کوئی دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔
- لوگوں کی غیبت کرنے والا، تہمتیں دھرنے والا، فحش گالیاں دینے والا، بدکلامی بے ہودہ گوئی کرنے والا۔
- پاکی ناپاکی کا خیال نہ رکھنے والا۔
- سینما، رقص اور بے حیائی کے کاموں سے دلچسپی رکھنے والا۔
- جوا یا لاٹری کے ٹکٹ وغیرہ میں دلچسپی رکھنے والا۔
- غیر شرعی لوگوں یا غیر شرعی اُمور کے حامیوں کی حمایت کرنے والا۔
- والدین کا وہ نافرمان جسے والدین نے عاق کر دیا ہو۔
- پیشاب پاخانہ یا ریح (ہوا) کی حاجت و ضرورت روک کر نماز پڑھانے ولا۔
- اپنے جسم کے سات اعضاء پر سجدہ نہ کرنے والا (پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پنجوں کی اُنگلیاں زمین پر اچھی طرح نہ ٹکانے (جمانے والا))۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض باتوں سے صرف تنزیہی کراہت ہوتی ہے، ان میں مقتدیوں کو نماز کا اعادہ ضروری نہیں البتہ جو شخص فتویٰ کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ خیال رکھے، وہ ہر کراہت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر اس سے معمولی سی کراہت کا ارتکاب بھی ہو جائے تو وہ اپنی نماز دہرا لیتا ہے۔ ہدایہ اولین میں ہے کہ "و تعاد علی وجه غیر مکروه وهو الحکم فی کل صلوٰة ادیت مع الکراهه" (اور نماز دہرائی جائے غیر مکروہ طریقے پر، اور یہی حکم ہر اس نماز کا ہے جو تنزیہی کراہت سے ادا کی جائے) "والتفصیل بین کون تلك الکراهة تحریم فستجب الاعادة او تنزیهه فتستحب فان کراهة التحریم فی رتبة الواجب" (فتح القدیر، ۲۹۶/۱) اور اگر تحریمی کراہت ہو تو نماز کا دہرانا واجب ہے کیونکہ تحریمی کراہت واجب کے رُتبے میں ہے اور تنزیہی کراہت پر نماز کا دہرانا پسندیدہ ہے۔

یہاں یہ عرض بھی ضروری ہے کہ عوام میں بعض باتیں بے وجہ موضوع بن جاتی ہیں اور کبھی کبھی شدت اختیار کر جاتی ہیں ہم سب کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ بغیر تحقیق ہر کسی سے سنی ہوئی بات پر اختلاف نہ کریں جب تک کہ اہل علم سے اصل حقیقت معلوم نہ کرلیں البتہ علمائے حق جو بتائیں اس میں تردد نہ کریں۔ بعض لوگ نابینا شخص کی امامت کو بالکل درست نہیں جانتے۔ کچھ لوگ غیر شادی شدہ شخص کی امامت پر اعتراض کرتے ہیں، کچھ لوگ غیر سیّد کی امامت کو کم تر کہتے ہیں، کچھ لوگ اعضائے جسمانی کا صحیح تناسب نہ رکھنے والے کی امامت کو ناجائز کہتے ہیں۔

نابینا شخص کی امامت کو مکروہِ تنزیہی بتایا گیا ہے، اس وقت جبکہ مقتدیوں میں اس نابینا سے بہتر شخص موجود ہو اگر ایک شخص باقی تمام لحاظ سے بہتر ہے مگر بینائی سے محروم ہے اور صفائی ستھرائی کا خیال رکھنے والا ہے، تو ایسی صورت میں اس نابینا شخص کی امامت میں کوئی کراہت نہیں۔ اصحاب نبوی رضی اللہ عنہم میں حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہری بصارت نہیں رکھتے تھے مگر وہ بھی امامت کرتے تھے، کچھ اور نابینا صحابہ کی بھی روایات کتابوں میں ہیں۔ (شاید یہاں کسی کو شبہ ہو کہ صحابی تو اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے ایمان کے ساتھ دنیا کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، لہٰذا نابینا شخص کیسے صحابی ہو گیا؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ لفظ "صحابی" صحبت سے ہے۔ جس شخص کو ایمان کے ساتھ دنیا کی زندگی میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات وصحبت کی سعادت حاصل ہوئی اسے صحابیت کا اعزاز و امتیاز حاصل ہو گیا)۔ ایسا نابینا شخص جو صفائی اور پاکیزگی کا خیال نہ رکھے اس کی امامت درست نہیں۔

امامت کیلئے شادی شدہ ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ عوام میں بعض کا جو یہ خیال ہے کہ غیر شادی شدہ شخص امامت کرنے یا نکاح پڑھانے کا اہل نہیں یہ غلط ہے، شریعت و سنت کے احکام میں امامت کیلئے شادی شدہ ہونا ہرگز ضروری شرط نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص پاک باز نہ ہو، تو اسے لوگوں کو اعتراض کا موقع نہیں دینا چاہئے، گر وہ شادی نہیں کرتا اور لوگ اس کے بارے میں مطمئن نہ ہوں تو اس شخص کو ایسی جگہ امامت پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ جو شخص عمر کے لحاظ سے جوان ہو مگر پاک باز ہو اور ذہن بھی پراگندہ خیالات میں اُلجھا نہ رہتا ہو، اس کی امامت میں ہرگز کوئی کراہت نہیں' نہ ہی اس کے نکاح خواں ہونے میں کوئی قباحت ہے۔ کسی شخص کا صحیح النسب سیّد (اولادِ رسول) ہونا سعادت کی بات ہے اور نسبتِ رسول علیٰ صاحبہاالصلوٰۃ والسلام کے سبب سے اس شخص کی تعظیم و تکریم بہت اچھی بات ہے، لیکن سادات کے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی شریعت و سنت کے احکام کے مطابق امامت کیلئے صرف سیّد ہونا کافی نہیں، البتہ مقتدیوں میں کوئی سید ہو اور علم و عمل کے اختیار سے افضل یعنی عالم اور متقی ہو تو اس کی امامت زیادہ بابرکت ہو گی۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مسجد انتظامیہ نے جس شخص کو مسجد میں امام مقرر کیا ہو، اس مسجد میں وہی امام نماز کی امامت کرے، البتہ وہ امام کسی وقت یہ دیکھے کہ کوئی ایسا شخص کبھی مسجد میں آیا ہو، جو دِینی و شرعی حیثیت سے ممتاز ہو، اور متعین امام اس شخص کے علم و فضل سے آگاہ ہو تو امام خود اس شخص کو امامت کیلئے پیش کش کرے تو اس شخص کو وہاں امامت کرنی چاہئے، متعین امام کی اجازت و اطلاع کے بغیر کوئی شخص اس کی جگہ امامت نہ کرے۔

امام کا (جسمانی لحاظ سے بھی) تن درست، وجیہ ہونا اور اس کے اعضاء کا متناسب ہونا، یہ ان خوبیوں میں سے ہے، جن پر کسی شخص کا امامت کیلئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ جسمانی اعضاء کا غیر متناسب ہونا اس قدر ہو کہ ہر کوئی صاف محسوس کرے بلکہ کچھ لوگ کراہت کریں، تو ایسے شخص کی امامت بہتر نہیں بلکہ بعض صورتوں میں بالکل درست نہیں۔ ایسا شخص جس کا جسمانی عذر اس قدر نمایاں ہو مثلاً رکوع کی حالت تک جھکی ہوئی کمر، لنگڑا کہ پوری ٹانگ کٹی ہوئی ہو، ایک پیر یا دونوں صحیح حالت میں نہ ہوں یا کٹے ہوئے ہوں، لنجا (ہتھ کٹا) ایک بازو کہنی تک کٹا ہوا، یہ ایسی حالتیں ہیں جنہیں ہر کوئی واضح طور پر محسوس کر سکتا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں کراہت کا احساس ضرور ہوتا ہے اور یہ شبہ رہتا ہے کہ ایسے لوگ نماز کے ارکان پوری طرح ادا نہیں کر سکتے اور صفائی اور پاکیزگی بھی پوری طرح نہیں رکھ سکتے، اس لئے علمائے دین کی تعلیم یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو امام نہ بنایا جائے اور بالخصوص ایسے موقع پر جبکہ ان سے بہتر اور صحیح و سالم لوگ موجود ہوں تو ایسے معذور شخص کی امامت ہرگز درست نہیں ہو گی۔ وہ لوگ جن میں کوئی جسمانی نقص ایسا پایا جائے کہ وہ معمولی ہو، مثلاً ایک چشم (کانا)، ہاتھ کی انگلیوں میں سے کوئی آدھی انگلی کٹی ہوئی یا مڑی ہوئی ہو، بہرا، پوپلا (منہ میں دانت کم ہوں یا بالکل نہ ہوں)، کن کٹا (کان کا کچھ حصہ کٹا یا مڑا ہوا ہو)، ایسے افراد کی امامت میں کوئی کراہت نہیں۔ اسی طرح کسی شدید اور مستقل مرض کہ جس سے لوگ کراہت کریں، اس مرض کے مریض کو بھی امامت نہیں کرنی چاہئے۔

اگر کوئی امام کسی وقت بیماری کے سبب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اسکے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والوں کی نماز میں کوئی کراہت نہیں۔

ایسا مریض کہ اس کے مرض میں اتنی مدت بھی پاک و صاف رہنا نہ پایا جائے جتنی دیر میں چار رکعت نماز بآسانی ادا کی جاتی ہے، اسے بھی امام نہیں بننا چاہئے۔ مستقل معذور شخص اپنے ہی جیسے دوسرے معذور شخص کا امام ہو سکتا ہے مگر تندرست لوگوں کا امام نہیں ہو سکتا۔ [1]

ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنے کی حدیث شریف کا مطلب و مفہوم بیان کرتے ہوئے یہ ضروری تفصیل اس خادم اہل سنت نے تحریر کر دی تا کہ قارئین کیلئے بھی مفید و نافع ہو۔

---

[1] امام کے بالکل پیچھے وہ شخص کھڑا ہو جو دینی مسائل کا خوب جاننے والا ہو، تا کہ کبھی کسی وجہ سے امام کی نماز ٹوٹ جائے امام کو کوئی اور عذر پیش آجائے تو وہ شخص امامت کر سکے۔

(سوال نمبر ۵) نماز کی ادائی میں جماعت کی بہت اہمیت ہے، کچھ فقہاء اس کو لازمی اور فرض کہتے ہیں اور کچھ فقہاء واجب یا سنتِ موکدہ، ایسے مقام پر جہاں امام، امامت کا اہل نہ ہو اور وہاں یہ جبر بھی پایا جائے کہ امام کی اقتداء نہ کرنے والا مملکت کا باغی یا دشمن تصور کیا جائے یا وہاں نماز کا اعادہ (دہرانا) بھی مشکل ہو، وہاں شرعی حکم کیا ہے؟

بلاشبہ نماز باجماعت ادا کرنا ہر مسلمان تندرست مرد کیلئے سنتِ موکدہ قریب الواجب ہے اور تنہا نماز ادا کرنے سے ستائیس درجے افضل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے اچھی طرح وضو کیا اور پھر فرض نماز کیلئے (مسجد کی طرف) چلا اور امام کے ساتھ (باجماعت) نماز ادا کی اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔ (نسائی و ابن خزیمہ)

ایک اور حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے رہ جانے والا یہ جانتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو جانے کیلئے کیا اجر ہے تو گھسٹتا ہوا آتا"۔ (طبرانی)

ایک حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے اذان سنی اور اسے مسجد آنے میں کوئی عذر نہیں اس کی وہ نماز مقبول نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی کیا عذر ہو؟ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوف یا مرض"۔
(ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان)

جماعت کے ساتھ نماز کی ادائی کیلئے متعدد احادیث ہیں۔ مذکورہ ارشادات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خوف اور مرض کے سوا باجماعت نماز ادا کرنے سے اگر کوئی اور عذر مانع ہو تو وہ عذر بھی قابلِ قبول نہیں اور تنہا نماز ادا کرنا غیر مقبول ہے۔ خوف سے مراد کیا ہے؟ اور مرض سے مراد کیا ہے؟ اس کی تفصیل میں علمائے دین فرماتے ہیں کہ جان کے نقصان کا یقینی خوف ہو اور ایسا مرض ہو جس کی شدت و تکلیف کے سبب مسجد میں نہ آسکتا ہو۔ جان کے ضائع ہونے کا یقینی خوف ہونا کئی قسم کے لوگوں کو ہو سکتا ہے مثلاً ایسا نابینا شخص جو اپنی رہائش گاہ سے مسجد تک لاٹھی وغیرہ کے سہارے بھی بآسانی نہ آسکتا ہو۔ کیونکہ راستہ کے درست ہونے کا اسے علم نہیں، یا راستہ ویران اور اس میں درندے وغیرہ ہوں۔ ایسا شخص جس کو یہ یقین ہو کہ اس کا کوئی دشمن اسے مار دے گا اور ان سے خود کو تنہا نہیں بچاسکے گا و علیٰ ہٰذا القیاس۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ شدید مرض میں رُخصت ہے۔ ایسا مرض جس سے ایسی تکلیف ہو کہ چلنا پھرنا مشکل ہو جائے یا ایسا مرض جس سے دوسرے کراہت کریں اس کیلئے رعایت ہے، مگر معمولی مرض وغیرہ میں یہ رعایت نہیں۔

سوال میں امام کے نااہل ہونے کی وجہ کا ذکر نہیں مگر مطلب و مفہوم کے مطابق غالباً یہی پوچھا گیا ہے کہ اسلامی احکام کے مطابق اگر امام میں امامت کی اہلیت نہ پائی جائے یعنی وہ فاسق ہو تو وہاں کیا کیا جائے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہر مسلمان کیلئے جان سے زیادہ اہمیت ایمان کی ہے، یہاں تک کہ ایمان کے تحفظ کیلئے جان بھی قربان کر دی جاتی ہے۔ جس طرح جان کے ضائع ہونے کا یقینی خوف اس بات کی رُخصت و رعایت دیتا ہے کہ نماز تنہا ادا کر لی جائے اور مسجد تک نہ جائے اسی طرح اس شخص کیلئے بھی رخصت و رعایت ہے جس کو یہ یقینی علم ہو کہ قریب ترین مسجد میں مقرر امام کی اقتداء باطل ہے، کیونکہ جو شخص اپنے باطل عقائد و نظریات کے سبب سے امامت کا اہل ہی نہیں اس کے عقائد و نظریات کا علم ہوتے ہوئے اس کی اقتداء کا ارادہ و نیت ہر گز جائز اور صحیح نہیں۔ ایسے شخص کو جانتے بوجھتے ہوئے امام مان لینے کا واضح مطلب و مفہوم یہی ہو گا کہ اس کے فسق و کفر کے باوجود اسے مسلمان مانا گیا اور ایسا کرنا صریح غلطی ہے۔ قارئین گزشتہ صفحات میں یہ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ علماء کا یہ کہنا ہے کہ کافر کو مسلمان ماننا خود کافر ہونا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے علاقے میں ہے جہاں ایک ہی مسجد ہے اور وہاں کے امام کی شہرت یہی ہے کہ اس کے عقائد و نظریات درست نہیں تو وہ شخص اپنے ایمان کے تحفظ کیلئے اس امام کے پیچھے ہر گز نماز ادا نہ کرے، کیونکہ جماعت کے ثواب سے محروم ہونا، ایمان کے ضائع ہونے سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس علاقے میں ایک سے زیادہ مساجد ہوں اور سب مساجد کے ائمہ (اماموں) کے بارے میں ویسی ہی شہرت ہو تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ان کیساتھ باجماعت نماز ادا نہ کرے بلکہ اپنے ہم عقیدہ افراد کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرلے اور اگر باجماعت نماز ادا کرنے کیلئے ہم عقیدہ افراد نہ ہوں تو تنہا نماز ادا کرلے۔

اس خادم اہلسنّت کے علم و مشاہدہ کے مطابق ایسا جبر کہیں نہیں پایا جاتا کہ وہاں کی مسجد کے امام کی اقتداء نہ کرنا کسی کو مملکت کا باغی یا دشمن ٹھہرائے، البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض مقامات پر مسجد کے متعین امام کی امامت میں نماز کے بعد لوگوں کو باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت نہ ہو اور الگ باجماعت نماز ادا کرنے والوں کو مسجد کی انتظامیہ یا مقررہ امام اپنا دشمن یا مخالف سمجھے۔ جہاں ایسی سختی اور تشدد پایا جائے وہاں اگر الگ الگ ہو کر باجماعت نماز ادا کرنا یا فوراً اپنی نماز کا اعادہ (دہرانا) سخت جھگڑے اور فتنہ کا سبب بن جائے وہاں فتنہ و فساد سے بچنے کیلئے احتیاط کرنی چاہئے کیونکہ قرآن کریم میں فتنہ کو قتل سے بھی زیادہ شدید فرمایا گیا ہے۔ ایسی جگہ پر احتیاط کی صورت یہ ہو گی کہ اگر امام فاسق معلن فی العقیدہ ہو تو اس کی اقتداء ہر گز نہ کی جائے اور تنہا اپنی نماز ادا کی جائے اور اگر بالفرض ایسا کرنا بھی مشکل ہو اور متعین امام کی اقتداء پر سخت مجبور کر دیا جائے اور اس علاقہ میں ایک ہی مسجد ہو تو اپنی نماز کا اعادہ اپنی رہائش گاہ پر جا کر کرلے۔ ایسی جگہ پر ایک ہی مسجد ہونے کے باعث جمعہ کی فرضیت و اہمیت کے سبب جمعہ کی نماز میں فاسق کی اقتداء مجبوراً کرنے پر گناہ گار نہ ہو گا اور اگر ایک سے زائد جگہ پر جمعہ ہوتا ہو تو پھر فاسق کی اقتداء نہیں کی جائے گی اور

اگر اس علاقے کی تمام مساجد میں فساق ہی امام مقرر ہوں تو پھر مقیم شخص کیلئے یہی ہے کہ وہ جمعہ کی فرضیت واہمیت کی خاطر جمعہ کی نماز میں فاسق کی اقتداء مجبوراً کرلے اور اس کے بعد اپنی ظہر کی نماز پوری ادا کرے چنانچہ فتح القدیر(ج۱، ص۲۴۷) میں ہے کہ:

ترجمہ: ہمارے اصحاب (اہلِ علم فقہائے حنفیہ) فرماتے ہیں کہ سوائے جمعہ کے ہرگز فاسق کی اقتداء نہیں کی جائے گی جبکہ فاسق کے سوا کوئی اور امام نہ ہو یعنی جبکہ صرف ایک مسجد میں جمعہ ہوتا ہو اور اگر ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ ہوتا ہو تو ادھر جانا ہوگا کیونکہ فاسق کی امامت کراہت سے خالی نہیں یہی مفتی بہ قول ہے اور محیط میں ہے کہ اگر فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا بدعتی کے جس کی بدعت کفر کی حد کو نہ پہنچی ہو تو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن اس ثواب کو نہ پائے گا جو متقی شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کا ہوتا ہے۔

اسلامی ممالک میں سعودی عرب کی حرمین شریفین کے سبب عزت واہمیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ ہر مسلمان مسجد نبوی شریف کی عظمت و مرتبت بھی بخوبی جانتا ہے۔ مدینہ منورہ کی آبادی میں ایک تہائی سے زیادہ شیعہ بتائے جاتے ہیں۔ اہلِ تشیع کے عقائد و نظریات کا باطل ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں مگر میرا یہ ذاتی مشاہدہ ہے اور متعدد مرتبہ کا ہے کہ مدینہ منورہ کے بہت سے شیعہ اذان کے بعد مسجد سے باہر آجاتے ہیں اور مسجد نبوی کے مقررہ اماموں کی اقتداء میں باجماعت نماز ادا نہیں کرتے۔ مدینہ منورہ کے اہل تشیع کا یہ معمول وہاں کی انتظامیہ سے پوشیدہ نہیں مگر انتظامیہ کی طرف سے ان اہل تشیع پر کوئی جبر و تشدد نہیں کہ انہیں مقررہ اماموں کی اقتداء کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ اس تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ جب اہل باطل اپنے عقیدہ ومذہب کے اختلاف پر یہ جرأت رکھتے ہیں تو اہلِ حق کو اپنے عقائد و نظریات کے معاملے میں کس قدر بے باک اور جرأت مند ہونا چاہئے اور جب مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی انتظامیہ ان اہل باطل پر جبر نہیں کرتی تو کسی اور مسجد کی انتظامیہ کو اہلِ حق سے بالخصوص ایسا معاندانہ رویہ نہیں رکھنا چاہئے اور نمازیوں کو اختلاف عقائد کے ہوتے ہوئے نماز میں اقتداء پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ تبلیغ دین کیلئے مختلف ممالک میں سفر کے دوران خود میری بھی ایسے لوگوں سے مڈبھیڑ ہوئی جو اپنی اقتداء پر لوگوں کو مجبور کرتے ہیں۔ اسے کوئی بھی مناسب اور اچھا نہیں گردانے گا۔ ہونا یہ چاہئے کہ اگر کسی جگہ انتظامیہ کے اپنے مخصوص عقائد ہیں تو وہ ان عقائد کے مطابق اپنی امامت کریں مگر عامۃ المسلمین کو اپنی اقتداء کیلئے ہرگز مجبور نہ کریں۔

(سوال نمبر ۶) اگر اعتقادی فاسق کی اقتداء کی جائے تو کیا شریعت میں اس کیلئے کوئی رعایت و رخصت ہے؟ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ نا اہل امام کی اپنی نماز قائم نہیں ہوتی تو اس کی اقتداء کی نیت ہی باطل ہے اور ایسے امام کی نا اہلی کا علم رکھتے ہوئے جان بوجھ کر قصد و نیت کے ساتھ اس کی اقتداء کو دُرست جاننے والا مومن نہیں رہتا۔

اب تک جو تفصیل قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں اس میں اس سوال کا جواب گزر چکا چونکہ سوال نامے میں اسے الگ سوال کے طور پر دریافت کیا گیا ہے اس لئے اس کے جواب میں عرض ہے کہ اعتقادی فاسق دو طرح کے ہیں۔ معلن اور غیر معلن۔ معلن فاسق اعتقادی کو امام مقرر کرنا ہی غلط ہے، اگر بالفرض کسی جگہ ایسا شخص امام ہے جو اعتقادی طور پر فاسق معلن ہے اور مسجد کی انتظامیہ و عوام بھی اس کے ہم نوا ہیں اور اس علاقے میں ایک ہی مسجد ہے تو ایسی صورت میں تنہا نماز ادا کرنا ہی اس فاسق معلن اعتقادی کی اقتداء سے بہتر ہے۔ فاسق معلن اعتقادی کی اقتداء سے پہلے اگر اس کے اعتقاد کا علم نہ ہو اور نماز کے بعد ہو جائے تو نماز کا اعادہ (دہرانا) لازم ہے۔ اور یقینی علم ہونے کی صورت میں رخصت و رعایت کیسی؟ کیونکہ جب یہ یقین ہے کہ امامت کرنے والا جو عقائد و نظریات رکھتا ہے، وہ سراسر شریعت و سنت کے منافی ہیں اور ضروریاتِ دین اور قطعیات کا منکر، مسلمان ہی نہیں، تو بلاشبہ ایسا شخص امامت کا اہل نہیں اور اس کی اقتداء کی نیت ہی باطل ہے۔ اس یقینی علم کے بعد جان بوجھ کر قصد و ارادہ کے ساتھ اس شخص کی امامت کو درست سمجھنا اور اس کی اقتداء کرنا، اس شخص کے غلط اور باطل عقائد و نظریات کی تائید کرنا اور اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے۔ یاد رہے کہ دنیا کا ہر قانون یہی کہتا ہے کہ اس قانون کا پیروکار اور ماننے والا کہلا کر اس قانون کی تکذیب (جھٹلانا) اور اس کی کسی طرح توہین کرنا بغاوت ہے۔ کوئی شخص کسی تنظیم یا پارٹی (جماعت) سے وابستہ ہو جائے اور پھر اس تنظیم کے دستور و قواعد کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو اس شخص کی اس تنظیم اور پارٹی سے رُکنیت ختم کر دی جاتی ہے اور اس شخص کو ہرگز اس تنظیم کا نمائندہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح مسلمان کہلانے والا جب اسلام کے ضروری اور قطعی اصول و قواعد اور بنیادی باتوں میں کسی بات کے انکار یا اہانت کا ارتکاب کرے تو اسے دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے اور اس کیلئے کوئی رخصت و رعایت باقی نہیں رہتی۔

(سوال نمبر ۷) امام کے فسق اعتقادی کی شہرت ہونا کافی ہے یا خود تحقیق کرنا ضروری ہے؟

جن باتوں کی نافرمانی کسی شخص کو فاسق بناتی ہے، ان کی تفصیل تو ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتی مگر بنیادی اور خاص خاص باتوں کا علم عام لوگوں کو ہوتا ہے۔ ان خاص باتوں کی بنیاد پر اگر کسی شخص کے اعتقادی فاسق ہونے کی شہرت ہو تو عوام کیلئے اس شہرت کے سبب سے احتیاط کا یہی تقاضا ہے کہ اس شخص کی اقتداء نہ کی جائے اور اہلِ علم کیلئے اس امام کے اعتقادی فسق کا یقینی علم ضروری ہے۔ اگر کسی علاقے میں اعتقادی فسق عام ہو اور مساجد کے تمام اماموں کے بارے میں یکساں شہرت ہو تو وہاں ہر امام کے بارے میں عوام کو احتیاط لازم ہے، البتہ اہل علم کو چاہئے کہ وہ تحقیق و تفتیش کریں اور یقینی حد تک واقفیت کے بعد عوام کو بھی آگاہ کریں تاکہ لوگ اپنی نمازوں کا تحفظ کر سکیں۔

(سوال نمبر ۸) اگر پہلے علم نہ ہو اور نماز کے بعد امام کے نااہل ہونے کا علم ہو، اس صورت میں مقتدی کیلئے کیا حکم ہے ؟

امامت کیلئے وہ شخص نااہل ہے جو مقتدی کی امام کے ساتھ نماز کی وابستگی کی شرائط کو بہ تمام و کمال پورا نہ کرتا ہو۔ ان شرائط اور امام کی نااہلی کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ کسی جگہ نماز کے باجماعت قائم ہونے سے پہلے اقتداء کرنے والے کو امام کے نااہل ہونے کا علم نہ ہو سکا مگر نماز کے فوراً بعد یا کچھ دیر بعد ہو گیا تو ایسی صورت میں مقتدی کو اپنی نماز کا اعادہ (دہرانا) لازم و ضروری ہے اور اگر امام کے اس قدر نااہل ہونے کا علم بعد میں ہوا کہ امام فاسق فی العمل غیر معلن ہے تو نماز نہیں دہرائی جائے گی۔

سوال نامے کے بالترتیب پہلے آٹھ سوالوں کے جوابات میں جو تفصیل گزری ہے اس سے قارئین نے بخوبی یہ جان لیا ہو گا کہ شریعت و سنت کے احکام اسلامی عبادات میں خوبی و معیار کو برقرار رکھنے کیلئے ہیں اور ملتِ اسلامیہ میں نظم و ضبط اور عمدگی کیلئے ہیں۔ اسلام میں امامت صغریٰ کا اہل وہ شخص ٹھہرایا گیا ہے جس کی اقتداء کی لوگوں میں رغبت اور شوق پایا جائے، تاکہ لوگ اس شخص کی عمدگی کی وجہ سے مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کو تنہا نماز پڑھنے سے مقدم اور بہتر سمجھیں۔ عام لوگوں میں باجماعت نماز کا ذوق و شوق کم ہونے کے اسباب میں نااہل اماموں کا بڑا دخل ہے۔ افسوس کہ لوگ اپنے معمولی کاموں کی باگ ڈور تو کسی نامناسب شخص کے ہاتھ میں دینا گوارا نہ کریں کہ اس طرح دنیوی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے افسوس کہ ان لوگوں نے اسلامی اہم عبادت نماز کو اتنا اہم بھی نہ سمجھا، کیونکہ نماز کی امامت ناموزوں شخص کو سونپ کر نماز اور ایمان دونوں کا نقصان ہو گا حالانکہ ایمان و عبادت کا نقصان بلاشبہ دنیوی نقصان سے زیادہ بڑا نقصان ہے۔ یہ خادم اہل سنت توقع کرتا ہے کہ اہل ایمان میری اس تحریر کے بغور مطالعے کے بعد اپنی نمازوں کی صحت اور ایمان کے تحفظ کیلئے صرف انہی اماموں کی اقتداء کو اپنائیں گے جو امامت کے ہر طرح اہل ہونگے اور جن کی اقتداء بابرکت اور صحیح ہو گی۔ اللہ کریم جل شانہ ہمیں حق و صداقت قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(سوال نمبر ۹) باجماعت نماز میں صفوں میں کتنا فاصلہ ہو سکتا ہے، کوئی عمارت یا دِیوار وغیرہ حائل ہو جائے تو اس صورت میں اقتداء درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ باجماعت نماز کی ادائی سے نمازیوں کو حسن ترتیب اور نظم کی تعلیم و تربیت ملتی ہے اور جس طرح کسی عمارت کا حسن اس پر منحصر ہے کہ اس کی تعمیر میں عمدہ ترتیب اور ہر شے قرینے اور سلیقے سے ہو، اسی طرح نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے صفوں میں باقاعدگی اور ترتیب و توازن کا حسن جھلکنا چاہئے۔ باجماعت نماز ملتِ اسلامیہ کی ایمانی اُخوت، ملی وحدت اور قومی مساوات کا عمدہ اظہار ہے، اس لئے نمازیوں کی صفوں میں اس بات کا اہتمام ہونا چاہئے کہ صفیں بناتے ہوئے وہ مقصد برقرار رہے جو باجماعت نماز کے مقاصد میں اہم ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جمعہ، عیدین یا کسی خاص موقع وغیرہ پر اتنا زیادہ اجتماع ہو جاتا ہے جو مسجد کی عمارت کے احاطے میں پورا نہیں سماتا، تو کچھ لوگ مسجد کے باہر یا اطراف میں سڑکوں، گلیوں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اسلامی شریعتِ مطہرہ میں ہر صورت حال کیلئے رہنما اصول و قواعد موجود ہیں اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ حالت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے اور اس کی تفصیل اہلِ علم سے حالت کی تبدیلی کے مطابق معلوم کی جاسکتی ہے۔

باجماعت نماز میں نمازیوں کی صفوں کی درستی کی اہمیت جاننے کیلئے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "صفوں کو برابر کرو اور کندھوں کو ایک دوسرے شخص کے مقابل کرو اور اپنے (نمازی) بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور (نمازیوں کی صفوں کے درمیان) کشادگی (خالی جگہ) کو بند کرو کہ شیطان بھیڑ کے بچے کی طرح تمہارے درمیان داخل ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد، طبرانی)

اس ارشادِ گرامی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صف میں کھڑے ہونے والے نمازی' قبلہ کی طرف رُخ کرکے اسی طرح کھڑے ہوں کہ آگے پیچھے ہوتے ہوئے معلوم نہ ہوں بلکہ صف بالکل سیدھی اور متوازی ہو اور ہر نمازی کے کندھے دائیں بائیں ہر دوسرے نمازی کے کندھوں سے لگے ہوئے ہوں اور جسم کو اکڑایا نہ جائے بلکہ نرمی اختیار کی جائے اور ہر ایک نمازی ہر دوسرے نمازی سے اس طرح ملا ہوا ہو کہ ان کے درمیان جگہ خالی نہ رہے، ورنہ اتنا حصہ شیطان کے داخل ہونے کیلئے کافی ہوگا۔

کتب صحاح (حدیث کی مشہور چھ صحیح کتابوں) میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کے بندو! اپنی صفیں برابر کرو، ورنہ اللہ تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا"۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صفوں کی بے ترتیبی آپس میں خیالات و نظریات کی بے ترتیبی کا سبب بن جاتی ہے، اس سے صفوں کے اچھی طرح درست ہونے کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔
ابوداؤد، نسائی اور ابن خزیمہ میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک

جاتے اور جس نمازی کا سینہ یا کندھا صف سے باہر ہوتا، اس پر ہاتھ پھیرتے (یعنی اس کو درست کرنے پر توجہ دلاتے) اور فرماتے کہ مختلف نہ کھڑے ہو، ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ صف میں ایک سی ترتیب سے کھڑے نہ ہونا ایک دوسرے کے دل کے اختلاف کا باعث ہو جاتا ہے۔ طبرانی شریف میں حدیث شریف ہے کہ "اس قدم سے بڑھ کر کسی قدم کا ثواب نہیں جو اس لئے بڑھا کہ صف کے درمیان خالی جگہ کو پُر کرے"۔ ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، "اگلی صف کو پورا کرو پھر اس کے بعد کی صف کو اور اگر کچھ کمی ہو تو پچھلی (آخری) صف میں ہو"۔ اس حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمائی کہ آگے والی صفوں میں جگہ ہونے کے باوجود پچھلی صف میں کھڑے ہونا درست نہیں، بلکہ نمازیوں پر لازم ہے کہ وہ پہلے آگے والی صفوں میں موجود خالی جگہ پُر کریں اور آگے والی صف کے مکمل ہو جانے کے بعد دوسری صف میں کھڑے ہوں۔ فقہائے اسلام علمائے دین کا کہنا ہے کہ اگر اگلی صف میں جگہ ہو تو صف کو پھاند کر اس خالی جگہ کو پُر کرنا چاہئے، کیونکہ ایک حدیث شریف میں واضح طور پر اس شخص کیلئے مغفرت کی بشارت ہے جو صف کے درمیان خالی جگہ پُر کرتا ہے۔

کچھ لوگ اپنی سہولت یا کسی غیر معقول عذر کی وجہ سے اگلی صفوں کو پورا کرنے کی بجائے اپنی مرضی کی جگہ تلاش کرتے ہیں، خاص طور پر سخت گرمی میں پنکھے وغیرہ کے قریب کھڑے ہوتے ہیں اور اگلی صف میں خالی جگہ پُر نہیں کرتے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ اپنی وقتی آسودگی کو پیش نظر رکھتے ہیں مگر بہت سے ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دو تین یا چار رکعت نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے انہیں اسی مقصد اور اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے جو باجماعت نماز سے وابستہ ہے، وہ لوگ زندگی کے بہت سے مرحلوں پر جسمانی آسودگی کی قربانی دیتے ہوئے کچھ تکلف محسوس نہیں کرتے تو صرف نماز میں اپنے اس نامناسب طرزِ عمل سے بھی انہیں اجتناب کرنا چاہئے۔

شرعی احکام کے مطابق امام اور مقتدی کے درمیان اتنا کھلا فاصلہ جس میں کہ بیل گاڑی، تانگا، موٹر کار، رکشا وغیرہ گزر سکے تو اقتداء درست نہیں ہو گی جیسا کہ ہندیہ میں ہے کہ

اذا کان بین الامام وبین المقتدی طریق ان کان ضیقا لا یمر فیه العجلة والاوقار لا یمنع الاقتداء وان کان واسعا یمر فیه العجلة والاوقار یمنع کذا فی فتاویٰ قاضی خان والخلاصه (ص ۱/۴۵)

(طریق تجری فیه عجلة) آلة یجرها (او نهر تجری فیه السفن) ولو زورقاء ولو فی المسجد (در مختار، ۱/۳۹۳)

"جب امام اور مقتدی کے درمیان راستہ تنگ ہو کہ اس میں تانگا (یا اس کے برابر اور اس کی طرح کوئی سواری) اور بوجھ لادنے والی چیز نہ گزر سکے تو اقتداء منع نہیں اور اگر امام اور مقتدی کے درمیان جگہ کشادہ ہو جس میں تانگا یا کوئی سواری وغیرہ گزر سکے تو اقتداء ہرگز منع ہو گی جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں اور خلاصہ میں ہے۔"

اسی طرح فقہائے اسلام فرماتے ہیں کہ کسی جگہ پانی کی نہر ہو اور اس پر پل ہو اور پل پر صفیں متصل (برابر، ملی ہوئی) ہوں تو امام اگرچہ نہر کے اس پار ہے تو اس پار والا اقتداء کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی میدان میں نماز باجماعت ادا کی جارہی ہو تو امام اور مقتدی کے درمیان اتنی جگہ خالی ہے کہ اس میں دو صفیں قائم ہو سکتی ہیں تو اقتداء صحیح نہیں ہو گی اور یہی حکم بڑی مسجدوں کا ہے۔

مکہ مکرمہ میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ موسم حج کے سوا ہر نماز میں حرم شریف کی عمارت نمازیوں سے بالکل بھری ہوئی نہیں ہوتی اور تمام نمازی متصل صفوں میں نہیں ہوتے بلکہ مطاف (طواف کے میدان) کو خالی چھوڑ کر برآمدوں میں ہوتے ہیں اور درمیان کی بہت سی صفیں خالی رہتی ہیں۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں مسجد نبوی شریف میں لوگ اپنی کسی سہولت کی وجہ سے متصل صفوں میں شامل ہونے کی بجائے الگ الگ فاصلوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور درمیان کا بہت سا حصہ خالی چھوڑ دیتے ہیں اور کچھ لوگ تو شاید باجماعت نماز کی کسی رکعت رہ جانے کے خیال سے مسجد کے کسی دروازے میں داخل ہوتے ہی نیت باندھ کر نماز باجماعت میں خود کو شامل سمجھ کر نماز شروع کر دیتے ہیں جبکہ ان کے اور نمازیوں کے درمیان جانے کتنی صفیں خالی ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو جاننا چاہیے کہ کسی ایک رکعت کا رہ جانا اتنا وبال نہیں جس قدر کہ کاہلی یا غفلت کے سبب آگے بڑھ کر متصل صف میں شامل نہ ہونے سے پوری نماز ادا نہ ہونے کا وبال سخت ہے۔ اگر صفوں کے درمیان بقدر حوض دہ در دہ (دس مربع گز) جگہ خالی چھوڑی گئی کہ اس میں کوئی شخص کھڑا نہ ہوا، لیکن اس خالی جگہ کے آس پاس یعنی دائیں بائیں صفیں متصل ہیں تو اس خالی جگہ کے بعد والے کی اقتداء صحیح ہو گی، جگہ زیادہ خالی چھوڑنے پر درست نہیں ہو گی۔ البتہ جو مسجد بہت بڑی نہ ہو اس میں امام اگر محراب میں ہے اور مقتدی مسجد کی عمارت کے آخری حصے میں ہے تو اقتداء ہو سکتی ہے، لیکن بڑی مسجد میں نہیں ہو سکتی۔

اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جیسے ستون، کھڑکیوں والی دیوار یا دروازہ وغیرہ مگر مقتدی اپنے امام کا قیام، رکوع اور سجدہ ادا کرنا دیکھ سکتا ہو یا تکبیر کہنے والے مکبر کی آواز سنتا ہو یا مکبر اور اسی امام کے ساتھ اپنی نماز وابستہ کرنے والے مقتدیوں کے رکوع و سجود وغیرہ کو دیکھتا ہو، تو اقتداء میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مقتدیوں میں بلاوجہ جگہ خالی نہ ہو اور خالی جگہ میں جانا بہت مشکل ہو۔ درِ مختار میں ہے: (ترجمہ) یعنی حائل ہونے والی چیز اگر امام کی حالت چھپاتی نہ ہو اور امام کو دیکھا سنا جاسکتا ہو تو اقتداء درست ہو گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو گا کہ با جماعت نماز میں (آلہ مکبر الصوت) لاؤڈ اسپیکر استعمال ہو رہا ہے تو خود امام ہی کی آواز دور تک پہنچے گی، ایسی صورت میں جہاں تک آواز پہنچے وہاں (باوجود درمیان میں بہت سی جگہ خالی ہونے کے) اقتداء کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ کچھ علمائے دین نے لاؤڈ اسپیکر کے بارے میں پوری طرح مطمئن نہ ہونے کے سبب سے اپنے کمال تقویٰ و احتیاط کے پیش نظر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو با جماعت نماز میں درست نہیں سمجھا، تاہم جن مساجد میں با جماعت نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال ہوتا ہے ان میں بھی یہ اہتمام ضروری ہونا چاہیئے کہ مقتدیوں میں ضروری فاصلے پر چند مقتدی مکبر کے فرائض انجام دیں تاکہ اچانک بجلی منقطع ہو جانے یا ایمپلی فائر میں کوئی خرابی ہو جانے کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز میں کوئی خرابی یا خلل واقع نہ ہو اور صرف لاؤڈ اسپیکر ہی پر انحصار نہ رہے۔ رہی یہ بات کہ امام اور مقتدی کے درمیان بہت سی جگہ خالی ہونے اور بہت کچھ حائل ہونے کے باوجود صرف لاؤڈ اسپیکر سے پہنچنے والی آواز کے ساتھ اقتداء ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ مقتدی کی نماز کے امام کی نماز سے وابستہ ہونے کی شرائط میں یہ شرط ہے کہ امام اور مقتدی ایک ہی مکان میں ہوں، اگر بنیادی شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی، تو وہ عمل بے سود اور بے کار ہو جائے گا۔ اگر صرف امام کی آواز یا نماز میں اس کی حالت کا "کسی طرح بھی" سننا دیکھنا شرط سمجھ لیا جائے، تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ایک شہر کی حد تک ہر گھر میں دیکھا سنا جاسکتا ہے۔ اس طرح امامت کے بہت سے مسائل اور مساجد کا تصور ہی ختم ہو جائے گا اور با جماعت نماز کا بنیادی مقصد بھی محض ایک مذاق ہو کر رہ جائے گا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیں اپنی طبیعت کو شریعت کے مطابق بنانا چاہئے اور شریعت کو اپنی طبیعت کے مطابق بنانے کی فضول کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ جو لوگ اپنی طبیعت کو شریعت کے مطابق بناتے ہیں، وہ پابندیوں کو جبر یا سختی نہیں سمجھتے بلکہ اپنے محبوب کی رضا کے حاصل کرنے کا صحیح راستہ وطریقہ سمجھ کر خوشی سے قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں اور کامیاب قرار پاتے ہیں۔

کتاب وسنت کے احکام کے مطابق یہ ہدایت ہے کہ مسجد کے ساتھ متصل (ملے ہوئے) مکان کی چھت، اگر مسجد کی چھت سے متصل (ملی ہوئی) ہے اور دونوں کے درمیان میں کوئی راستہ یا راستے کے برابر کوئی فاصلہ نہیں ہے، تو اس متصل مکان کی چھت پر اقتداء ہوسکتی ہے اور اگر کوئی راستہ یا فاصلہ وغیرہ ہے تو پھر اقتداء نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح مسجد کی چار دیواری کے باہر دائیں بائیں یا پیچھے کوئی چبوترہ یا دالان یا کھلی جگہ ہے اور امام مسجد میں ہے تو باہر اقتداء صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد بھر جائے اور باہر تک صفیں متصل ہوں جیسا کہ فقہائے اسلام نے لکھا ہے: (ترجمہ) یعنی کوئی شخص مسجد کی عمارت سے ملی ہوئی کسی اونچی جگہ (چبوترہ) میں ہے جو مسجد کے باہر ہے تو اس میں اقتداء ہوسکتی ہے لیکن اس شرط پر کہ وہاں تک صفیں متصل ہوں، ورنہ نہیں۔ (عالمگیری، ۱/۴۹) کیونکہ علمائے اسلام کا کتاب وسنت کے احکام کے مطابق یہ کہنا ہے کہ جب آگے والی صفوں میں جگہ خالی ہو تو اس جگہ کو خالی چھوڑ کر پیچھے صف بنانا اور اقتداء کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور احادیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق جو شخص آگے والی صف کو ملائے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ملائے گا اور جو شخص صف کو خالی چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس شخص سے قطع کرے گا۔ یعنی ملانے والے کا دل اللہ دوسروں سے ملائے گا اور صف کو خالی چھوڑنے والے کا دل اللہ تعالیٰ دوسروں کے دل سے دور کرے گا۔ (ابوداؤد، احمد، طبرانی کبیر، حاکم، ابن خزیمہ) درِ مختار میں ہے: (ترجمہ) اور اگر کوئی شخص مسجد کی الگنی میں نماز ادا کرے جبکہ مسجد کے صحن میں جگہ ہو تو مکروہ ہے جیسا کہ آگے والی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے والی صف میں کھڑا ہونا (مکروہ ہے)۔

اس سوال کے جواب میں وہ پہلی حدیث جو گزشتہ صفحات میں نقل کی گئی ہے، اس سے استدلال کرتے ہوئے علامہ طحطاوی اور علامہ شامی، درمختار کی مذکورہ عبارت کے تحت فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) (کہ آگے والی صف میں جگہ ہوتے ہوئے، مسجد میں جگہ ہونے کی باوجود الگنی یا باہر نماز ادا کرنے میں) کون سی کراہت ہے، تنزیہی یا تحریمی؟ تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث شریف کے مطابق قول ثانی (تحریمی) کا ارشاد ہے۔

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ آگے والی صفوں میں جگہ خالی ہو تو پہلے ان صفوں کو پورا کیا جائے اور آگے والی صف میں جگہ خالی ہونے کے باوجود پیچھے نماز کیلئے کھڑا نہ ہوا جائے، یہاں تک کہ نماز کی حالت میں آگے والی صف کی خالی جگہ پورا کرنے کیلئے چلے تو نماز فاسد (خراب) نہیں ہوگی بلکہ خالی جگہ پُر کرنے کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ (ترجمہ) میں نے (نماز کو

توڑنے والی چیزوں کے باب) میں دیکھا اور صاحب حلیہ نے اسے ذخیرہ (کتاب) سے لیا، کہ اگر دوسری صف میں کھڑا ہونے والا پہلی صف میں جگہ خالی پائے، تو نماز کی حالت میں (دورانِ نماز) چل کر اس (خالی) جگہ کو پُر کرنے سے بھی اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔[1] (۲۸۳/۱) کیونکہ صفوں کو ملا کر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو ملا کر رکھو (یعنی گردنیں پھلانگ کر بھی اگلی صف کو پورا کرنا پڑے تو اگلی صف کی خالی جگہ کو پُر کرو)۔

عام طور پر مسجد اور مجلس میں نمازی کے آگے سے گزرنے یا لوگوں کی گردنیں پھلانگنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کیلئے سخت وعید (سزا کی خبر) فرمائی گئی ہے۔ لیکن باجماعت نماز میں صفوں کی ترتیب کا حسن اور نظم قائم رکھنے کیلئے پچھلی صف کے نمازی کو اگلی صف میں خالی جگہ پُر کرنے کیلئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ صاحبِ ردالمختار فرماتے ہیں:

(ترجمہ) اور قنیہ میں ہے کہ (جماعت میں) جو مقتدی پچھلی صف میں کھڑا ہو، اور اس شخص اور اگلی صفوں میں مقتدیوں کے درمیان جگہ خالی ہو، تو (باہر سے) نماز میں داخل و شامل ہونے والے کیلئے جائز ہے کہ وہ (اگلی) صف کو پُر کرنے کیلئے اس نمازی کے آگے سے گزر جائے کیونکہ اس نمازی نے (آگے والی صف میں جگہ خالی چھوڑ کر پیچھے والی صف میں کھڑے ہونے کی وجہ سے بحیثیت نمازی) اپنے احترام کو خود (شرعی حکم پر عمل نہ کرکے) ساقط کر دیا، لہٰذا اس نمازی کے آگے سے گزرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا۔ (۴۲۱/۱)

چنانچہ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ روایت دلیل ہے جو کہ فردوس (کتاب) میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نمازی (باجماعت نماز میں اپنے سے اگلی) صف میں خالی جگہ دیکھے، اسے چاہئے کہ وہ خود اسے پُر کرے، اگر اس نے ایسا نہ کیا، بلکہ کسی دوسرے شخص نے اس کی گردن پھلانگ کر (اس خالی جگہ کو) پُر کیا، تو درست ہے، کیونکہ (شرعی حکم پر عمل نہ کرنے والا نمازی، نماز کی حالت میں اپنی لاپرواہی کی وجہ سے) احترام کے لائق نہیں ہے۔

قارئین نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ نماز باجماعت میں حسن ترتیب کا کس قدر خیال رکھنے کی تعلیم فرمائی گئی ہے، اسلئے نمازیوں کو چاہئے کہ وہ اپنی صفیں نہایت اہتمام سے بنائیں اور جب مساجد میں جائیں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ اگر نماز شروع نہیں ہوئی تو پہلے ہی سے مختلف فاصلوں پر علیحدہ علیحدہ ہو کر نہ بیٹھیں بلکہ نماز شروع ہونے کا انتظار بھی ایک دوسرے سے متصل ساتھ بیٹھ کر کریں اور جب اقامت (جماعت کیلئے کھڑے ہونے کا اعلان) ہو تو حی علی الصلوٰۃ کی صدا پر فوراً کھڑے ہو کر اپنی صفوں کی ترتیب کا اہتمام کریں اور صفوں کے درمیان جگہ ہرگز خالی نہ چھوڑیں اور اگر کوئی خالی جگہ رہ جائے تو اسے پُر کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

---

[1] علامہ شامی نے تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ (ترجمہ) یعنی اگر نماز کی حالت میں تیسری صف سے (مقتدی) متواتر چل کر آگے گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی" کیونکہ یہ عملِ کثیر ہوگا۔

(سوال نمبر ۱۰) صفوں کے درمیان کسی خاص شخص کیلئے فاصلہ رکھا جاسکتا ہے یا نہیں اور اگر درمیان میں کچھ صفیں خالی رہ گئیں تو پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنے کی تعلیم میں بہت سے فوائد اور حکمتیں ہیں اور علمائے اسلام نے اپنی تحریروں میں انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسلام بلاشبہ ایمانی اُخوت اور ملی وحدت کی تعلیم ہی نہیں دیتا بلکہ اس کیلئے عملی ترتیب بھی کرتا ہے۔ باجماعت نماز میں اس کا مظاہرہ ہمیں نظر آتا ہے کہ ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے کندھے سے کندھا ملائے زبان، نسل، ذات، پات، رنگ اور علاقائی ہر امتیاز سے بالا ہو کر صرف ایک ایمانی تعلق اور اخوت کا اظہار کرتا ہے۔ عارف لاہوری شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم بھی اپنے اس شعر میں اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں ۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مزید فرماتے ہیں ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

خلفائے راشدین کے دور میں تو اس موضوع پر ایسی عمدہ روایات ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ باجماعت نماز کی ایک صف میں، یوں سب کا ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہونا، وہ انوکھی اور مثالی بات ہے، جس سے اسلام کی ملی مساوات اور اجتماعیت دنیا کے تمام ادیان و مذاہب کے کھوکھلے دعووں کو آئینہ دکھاتی ہے۔ عقل بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ باجماعت نماز میں صفوں میں باہم مل کر کھڑے ہونا، ایک اعلیٰ مقصدیت لئے ہوئے ہے، جو اسلام ہی کا امتیاز ہے۔ بایں ہمہ کتاب و سنت کے احکام میں تمام فطری اور احوال کے ناگزیر تقاضوں کا پورا پورا حل موجود ہے۔ چنانچہ فقہائے اسلام کا فرمانا ہے کہ باجماعت نماز میں قصد و ارادہ کے ساتھ بلاوجہ کسی خاص شخصیت مثلاً بادشاہ اور حکام وغیرہ کیلئے فاصلہ وغیرہ رکھنا درست نہیں، لیکن حفاظت یا کسی معقول عذر کی وجہ سے ضروری انتظام کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انتظام ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ اگر ایسا کیا جائے کہ خاص شخصیت کیلئے کسی صف میں اہتمام کیا جائے اور اس کے بعد کی کئی صفیں خالی چھوڑ دی جائیں تو یہ درست نہیں، کیونکہ سوال نمبر ۹ کے جواب میں صفوں کے متصل ہونے کی اہمیت اور اس کے متعلق احکام کی جو تفصیل گزر چکی ہے، اسکے مطابق خاص شخصیت کیلئے غیر ضروری انتظام سے صفیں متصل نہیں رہ سکیں گی اور پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدیوں کی نماز خراب ہوگی۔ موجودہ دور میں اس قدر انتظام شاید ہی کہیں کیا جاتا ہوگا۔ اوّل تو بادشاہانِ مملکت پانچوں وقت نماز ادا کرنے مساجد میں آتے ہی نہیں۔ عیدین یا کسی خاص موقع پر ان کی حفاظت کیلئے اگر مناسب حد تک انتظام کیا جائے تو گنجائش ہے، لیکن اس میں بھی صفوں کو متصل رکھا جائے، ورنہ پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدیوں کی نماز ضرور متاثر ہوگی۔

سوال نامے کے جوابات میں اس خادمِ اہل سنت نے کوشش کی ہے کہ آسان لفظوں میں واضح اور جامع احکام پوری طرح پیش کر دیئے جائیں، تاکہ امامت سے متعلق ضروری تفصیل سے سب کو آگہی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعلین شریف کے صدقے مجھ ناچیز کو یہ توفیق بخشی کہ میں اس کوشش میں کامیاب رہا۔ اللہ کرے کہ یہ تحریر تمام اہل سنت وجماعت کیلئے مفید ونافع ہو۔

اپنے قارئین سے یہ التماس کروں گا کہ میری تحریر کے متن میں املاء، مضمون، ترجمہ وغیرہ کی کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مجھے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے۔ اللہ کریم اپنے فضل سے ہم سب کو قرآن وسنت کے احکام پر خوش دِلی سے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بندہ!

کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ۔ کراچی

الجیب مصیب

بشیر احمد اشرفی

نائب مفتی اشرف المدارس اوکاڑا

۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

۱۰۔۱۲۔۹۰

الجواب صحیح

ابو الظفر مفتی احمد یار خان غفرلہ

صدر مدرس جامعہ حنفیہ اشرف المدارس، اوکاڑا